رجسٹرڈ آصفیہ نمبر (۱۸۰)

رجسٹرڈ انگلشیہ ( )

فرخندہ بنیاد حیدرآباد دکن

ہفتہ وار مملکت

ایڈیٹر

میر حسن الدین بی۔ اے۔ ال ال بی (عثمانیہ)

شرح چندہ

سالانہ ......

ششماہی ......

سہ ماہی ......

قیمت فی پرچہ (۲/)

قیمت پرانا پرچہ (۴/)

جلد (۲) | ۵ آذر ۱۳۵۲ ف | ۲۸ رمضان ۱۳۶۱ھ | ۱۰ اکٹوبر ۱۹۴۲ء شنبہ | نمبر (۲۶)

سمجھوتہ کی ابھی امید ہے

ڈاکٹر مکرجی کی جدوجہد

مسٹر جناح کی تجاویز

ہندو مہا سبھا کے لیڈروں کو جن کا اجتماع اس ہفتہ دہلی میں ہو رہا ہے ایک نازک اور مشکل مسئلہ سے دوچار ہونا پڑے گا۔ یاد ہوگا کہ تقریباً ایک ماہ قبل مہا سبھا کی مجلس عاملہ نے ایک سب کمیٹی اس غرض سے تشکیل دی تھی کہ ہندوستان کے سیاسی مسئلہ کے تصفیہ کے لئے کوئی راستہ تلاش کرے اور مہا سبھا کے مطالبات کی تائید میں رائے عامہ کو ہموار کرے۔ اگر کوئی نتیجہ برآمد نہ ہو تو یہ طے پایا تھا کہ ایک ہفتہ بعد مہا سبھا اپنے اجلاس میں یہ غور کرے گی کہ کیا طریق عمل اختیار کیا جائے۔

گذشتہ چار ہفتوں سے مہا سبھا کی سب کمیٹی اور اس کے صدر ڈاکٹر شیام پرشاد مکرجی مختلف جماعتوں کے لیڈروں اور دوسری اہم شخصیتوں سے ملتے رہے اور مہا سبھا ابھی فوری اشاعت کرتی رہی کہ "ہندوستان سے سمجھوتہ" گروہ گو ڈاکٹر مکرجی کو مہاتما گاندھی سے ملنے کی اجازت نہیں مل سکی انہوں نے تقریباً کانگریسی لیڈروں سے جن میں مسٹر جناح بھی شامل ہیں ملاقات اور مشورہ کیا۔ ان تقریروں اور گفتگو کے بعد صورت حال میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ تاہم ڈاکٹر مکرجی ابھی مایوس نہیں ہوئے۔

ابھی امید ہے۔

ڈاکٹر مکرجی کے مایوس نہ ہونے کی ایک وجہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ڈاکٹر مکرجی اور مسٹر جناح کی گفتگو کے نتیجہ کے طور پر ایک اسکیم وجود میں آئی ہے۔ اس کی تفصیلات ابھی ظاہر نہیں ہوئی ہیں لیکن معلوم ہوا ہے کہ ایک فارمولا یہ مرتب کیا گیا ہے کہ وہ کیا ذرائع ہیں جن سے جنگ کے بعد یہ دریافت ہوسکے کہ آیا مسلمان آزاد اسلامی مملکتیں قائم کرنا چاہتے ہیں یا نہیں۔ مہا سبھا کے دائیں بازو کے خیال میں یہ فارمولا قابل عمل ہے۔ اس عارضی فارمولا پر بحث کرتے وقت سب سے پہلے جو خیال پیدا ہوتا ہے یہ ہے کہ مجوزہ استصواب عامہ کی تفصیلات پر غور کرنا اصول پاکستان کو تسلیم کرنے کے برابر ہے۔ اس نتیجہ پر مہا سبھا کو اب تک اختلاف رہا ہے۔ ہر مہا سبھائی لیڈر کا دعویٰ رہا ہے کہ ہندوستان ایک ناقابل تقسیم وحدت ہے اور [illegible] کی آبادی کی بنا پر [illegible] ہونی چاہئے۔ پاکستان کا اصول اس ادعا کی نفی کر دیتا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا پاکستان کی نسبت ہندو مہا سبھا کے حلقوں نے اپنی رائے بدل دی ہے۔

پاکستان

یہ ملحوظ خاص کر مسٹر راج گوپال چاری کے کانگریس سے علحدہ ہو جانے کے بعد مہا سبھائی لیڈروں کے بعض حلقوں میں یہ شبہ پیدا ہونے لگا کہ پاکستان پر مسٹر جناح کے اصرار کی موجودگی میں کیا ہندوستان کی وحدت پر مسلسل زور دینا سودمند ثابت ہوگا۔ اس کے یہ معنے نہیں کہ مہا سبھا اپنے نقطۂ نظر کو ترک کرنے تیار ہے لیکن اسے یہ خیال ہو رہا ہے کہ پاکستان کسی نہ کسی صورت میں وجود میں آئے گا اور ہندوستان کے آئندہ دستور میں اس نام سے نہیں تو کسی اور نام سے وہ عمل لایا جائے گا۔ کرپس کی تجاویز میں حق علحدگی کا فقرہ پہلی دفعہ یہ ظاہر کر رہا تھا کہ اگر کسی مخصوص رقبہ کے باشندوں کی اکثریت علحدگی چاہے تو حکومت برطانیہ علحدگی کو تسلیم کرے گی۔ اس سے مہا سبھا نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ برطانوی پالیسی جو اب تک ہندوستان کی جغرافی وحدت کو تسلیم کرتی تھی تقسیم کی طرف مائل ہو جائے گی۔

اس کے بعد مجلس عاملہ کی وہ قرارداد منظور ہوئی جس میں یہ اعلان کیا گیا تھا کہ جو علاقہ علحدہ رہنا چاہے اس کو کانگریس ہندوستان کی آئندہ یونین میں شریک ہونے پر مجبور نہیں کرے گی۔ اس اثنا میں مسٹر راج گوپال چاری نے بغاوت کی۔ انہوں نے یہ پروپیگنڈہ شروع کیا تھا کہ مسلم لیگ سے پاکستان کی بنیاد پر سمجھوتہ کر لینا چاہئے۔ اس کا اثر بالعموم سارے ملک پر اور بالخصوص ہندو کانگریس کے دائیں بازو پر پڑا۔ اور یہ خیال پھیلنے لگا کہ مسلمانوں سے جو سمجھوتہ بھی کیا جائے اس میں پاکستان کا نام نہیں تو اس کا تصور ضرور شامل رہے گا۔ اس خیال کو کانگریس کی حالیہ تحریک، موجودہ سیاسی تعطل اور مسٹر جناح کے اس اعلان سے تقویت ہو چکی کہ پاکستان ہر سمجھوتہ کی شرط مقدم ہے۔

لیکن یہ تصور کا صرف ایک رخ ہے۔ یہ کہنا غلط ہے کہ مہا سبھا بحیثیت مجموعی پاکستان کی تشخیص پر رضامند ہو جائے گی۔ ایسے زبردست حلقے اب بھی موجود ہیں جو ہندوستان کی وحدت کو اپنے ایمان کا جزو سمجھتے ہیں۔ ان مہا سبھائیوں میں جو یہ سمجھتے ہیں کہ پاکستان کسی نہ کسی طرح وجود میں آ جائے گا

(باقی صفحہ [illegible])

ہفتہ وار
مملکت
جلد (۲) | ۵ آذر روز شنبہ ۱۳۵۲ف | نمبر ۲۶

بلدیہ حیدرآباد

ذمہ داری اور فرائض کے تعین کی ضرورت

شہر حیدرآباد کی دو خدمات بہت اہم ہیں۔ ایک کوتوال بلدہ کی خدمت اور دوسرے ناظم بلدیہ کی۔ کوتوال بلدہ کی خدمت کی اہمیت ایک زمانہ سے چلی آرہی ہے لیکن گزشتہ پانچ چھ سال سے ناظم بلدیہ کی خدمت شہر کی صحت و رفاہیت اور شہر کی ترقی کے لئے نہایت اہم ہوگئی ہے۔ قانون بلدیہ کے نفاذ کے بعد جب شہریوں کو بھی بلدیہ کے انتظامات میں دخل حاصل ہوگیا تو اہل ملک پر یہ واضح ہوگیا کہ ایک کامیاب ناظم بلدیہ ثابت ہونے کے لئے کس قدر ذی علم، مستعد اور باتدبیر شخص کی ضرورت ہے۔ برطانوی ہند میں ایسا ہی شخص ناظم بلدیہ ہوسکتا ہے جو سب سے زیادہ سینئر اور تجربہ کار ہو اور جو انتظامی قابلیت کے ساتھ ساتھ شہر کے مسائل اور شہریوں سے ہمدردی رکھتا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ناظم بلدیہ بمبئی کی تنخواہ تین ہزار، ناظم بلدیہ مدراس کی تنخواہ ڈھائی ہزار اور اسی طرح ناظم بلدیہ کلکتہ کی تنخواہ دو ہزار نو سو روپے قرار دی گئی ہے۔ بعض حضرات کے نزدیک جو اس خدمت کی اہمیت کا کوئی تصور نہیں رکھتے، ناظم بلدیہ کا صرف یہ کام ہے کہ شہر کی سڑکوں اور گلی کوچوں میں صفائی کرائے، مکانوں اور نلوں کا ٹیکس وصول کرے اور جب کبھی کوئی مرض متعدی پھیل جائے تو انسدادی تدابیر اختیار کرے۔ واقعہ یہ ہے کہ ناظم بلدیہ کے صرف یہی فرائض نہیں ہیں۔ امن عامہ اور حفاظت ذات وغیرہ کو علحدہ کرنے کے بعد ہر نوعیت کی ذمہ داری مثلاً معاشرتی، تمدنی، تجارتی، صحت عامہ کی ترقی اور شہریوں کی آسائش وغیرہ ناظم بلدیہ پر عائد ہوسکتی ہے۔ حیدرآباد ہندوستان میں چوتھا بڑا شہر ہے۔ اس لئے یہاں کے بلدیہ کی نظامت بھی خاص اہمیت رکھتی ہے۔

ذمہ داری اور فرائض کا تعین

جہاں تک ہم نے غور کیا ہے موجودہ قانون بلدیہ میں بہت سے اسقام موجود ہیں۔ اس قانون میں نہ تو مجلس بلدیہ، مجلس قائمہ، اور نہ ناظم بلدیہ کی ذمہ داریوں، فرائض اور دائرہ عمل کی وضاحت کی گئی ہے اور نہ ان کی ذمہ داریوں اور فرائض میں خاطر خواہ امتیاز پیدا کیا گیا ہے۔ چنانچہ یہی وجہ تھی کہ گزشتہ پانچ سال کے دوران میں ہر وقت ان میں باہمی تصادم ہوتا رہا۔ موجودہ قانون جس وقت تشکیل دیا گیا تھا واضعان قانون کے پیش نظر وہ تمام مسائل نہیں تھے جو اس وقت پیدا ہوگئے ہیں۔ گزشتہ واقعات اور حالات پر نکتہ چینی کرنا اس وقت ہمارا مقصد نہیں ہے لیکن اب جبکہ قانون بلدیہ کی از سر نو ترمیم کی جارہی ہے اور حکومت نے ایک ایسے شخص کو اس کام کے لئے مقرر کیا ہے جس کو پانچ سال بلدیہ میں کام کرنے کا موقع ملا ہے تو ہمیں یقین ہے کہ ترمیم شدہ قانون تمام نقائص سے پاک اور قابل عمل ہوگا۔

ہمارے خیال میں اس وقت قانون بلدیہ جو ترتیب دیا جارہا ہے اس میں اس اصول کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ مجلس بلدیہ کی حیثیت مشیر اور مجلس قائمہ کی حیثیت نگرانکار کی رہے اور انتظام کی کامل ذمہ داری ناظم بلدیہ پر عائد کی جائے۔ ناظم بلدیہ کو حکومت کے آگے ذمہ دار قرار دینا چاہئے۔ مجلس بلدیہ کے صحیح مشورہ پر عمل کرنا ناظم کا فرض ہوگا اور مجلس قائمہ اس امر کی نگرانی کرے کہ ناظم بلدیہ اپنے فرائض کو کما حقہ ادا کر رہا ہے یا نہیں۔ اگر ناظم بلدیہ اپنے فرائض کی ادائی میں تساہل برتے تو مجلس قائمہ مجلس بلدیہ کو اس کی اطلاع دے اور مجلس بلدیہ حکومت کو توجہ دلائے۔ ایسے موقع پر حکومت کا فرض ہوگا کہ ناظم بلدیہ سے جواب طلب کرے اور حکومت کا فیصلہ آخری اور قطعی ہو۔ یہی صورت قابل عمل ہوسکتی ہے اور اسی میں شہر اور شہریوں کا مفاد مضمر ہے۔ اگر فرائض اور ذمہ داریوں کا تعین اس طرح نہیں کیا گیا تو اسی طرح باہمی تصادم ہوتا رہے گا جس طرح کہ گزشتہ پانچ سال کے دوران میں ہوا ہے۔

بعض واقف کار حلقوں کا خیال ہے کہ ذمہ داری ایک ذات کو قرار دینا ضروری ہے۔ موجودہ قانون بلدیہ میں ذمہ داری اور اقتدار کو تقسیم کیا گیا ہے اور ہر شخص اپنے آپ کو مقتدر بھی سمجھتا ہے اور غیر ذمہ دار بھی۔ چنانچہ اسی کا نتیجہ ہے کہ مجلس بلدیہ کا اجلاس اکثر و بیشتر ہنگامہ آرائیوں کا آماجگاہ بنا رہا ہے۔ ہم نے سنا ہے کہ ناظم بلدیہ نے تبادلوں پر کوئی پابندی عائد کی تو مجلس بلدیہ میں شور مچایا گیا۔ اگر [illegible] پر صحت عامہ کے اصول کے تحت سختی کی گئی تو ناظم بلدیہ کو ہدف ملامت بنایا گیا۔ ٹیکس ہو یا بلحاظ ضرورت اضافہ یا مکانوں کی تعمیر کے لئے کوئی ضابطہ تیار کرنا دشوار ہوجاتا ہے۔ اشیاء خورد و نوش کا معیار بڑھانے کی تدابیر اختیار کی جائیں اور اس کی خرابیاں دور کرنے کی کوشش کی جائے تو فوراً حکم التواء جاری کیا جاتا ہے۔ مسلخ یا مارکٹ تعمیر کئے جائیں تو معترض پیش کئے جاتے ہیں۔ سڑکیں تعمیر ہوں تو بعض ارکان کو پہلے اپنے گھر کی سڑک کی فکر ہوتی ہے۔ اگر یہ واقعات صحیح ہیں جیسا کہ ہم نے سنا ہے تو قانون بلدیہ کی ترمیم کے وقت اس امر کا لحاظ رکھنا ضروری ہوگا کہ اراکین رائے دہندگان کے نام سے تعمیری کاموں میں رخنہ اندازی نہ ہوسکے۔

ایک خیال یہ ہے کہ ان سارے اسقام کو رفع کرنے کے لئے بلدیہ کے حلقہ ہائے انتخاب کو مفاداتی بنیاد پر قائم کرنا چاہئے مگر بعض حضرات جن کا شہر میں کسی خاص مفاد سے تعلق نہیں وہ مفاداتی بنیاد کی سخت مخالفت کر رہے ہیں۔ بلدیہ کے حلقہ ہائے انتخاب کا سوال کمیشن اصلاحات میں بھی پیش ہوا تھا۔ کمیشن نے کامل غور و فکر کے بعد یہ رائے قائم کی تھی کہ:

> "حیدرآباد کے بلدیہ کی حد تک شاید یہ خیال کسی قدر قوت کے ساتھ پیش کیا جاسکتا ہے کہ حلقہ وار نمائندگی دیکھ بھال یا نگرانی کی جو سہولتیں پیدا کرتی ہے، یہ بالکل درست ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ایسی سہولتوں کے لئے انتخابات بھی حلقہ وار ہوں۔ سب سے پہلے تو موجودہ قانون ہی میں یہ کہیں محکوم نہیں ہے کہ جس حلقہ سے جو امیدوار کھڑا ہو اسی حلقہ کا رہنے والا ہو اور اگر اس طرح محکوم بھی ہوتا تو یہ دشوار نہ ہوتا کہ ساختی طبقات اور مفادات کی بنا پر انتخابات کے ختم ہونے کے بعد خود مجلس اپنے کسی اجلاس میں مختلف حلقوں کی دیکھ بھال کو سکونتی سہولتوں کے مدنظر مختلف ارکان کے سپرد کر دے۔ اور اگر یہ پوری طرح ممکن نہ ہو تو حکومت اپنی نامزدگی کی گنجائش سے ایسی ضرورت کی تکمیل کر سکتی ہے۔ اس سے ظاہر ہوگا کہ مفاداتی انتخابات کا طریقہ یہاں بھی کوئی ناقابل عبور عملی دشواری پیدا نہیں کرتا اور جب اصولاً بھی اس کی افادیت مسلم ہو تو اس کو اختیار نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔"

کمیشن اصلاحات کی اس تجویز کو کہ نمائندگی کی بنیاد مفادات کو قرار دیا جائے سرکار عالی نے قبول کر لیا ہے۔ طریقہ انتخاب اور حدود و تعلیم ارکان کا تناسب مجلس بلدیہ کے لئے بھی وہی رکھا جائے گا جو مجلس مقننہ کے لئے تجویز کیا گیا ہے۔ اس خصوص میں ہماری رائے یہ ہے کہ مجلس بلدیہ میں غیر سرکاری ارکان کی اکثریت قائم کی جائے اور مجلس کا صدر غیر سرکاری رکن کو بنایا جائے۔

اس وقت ناظم بلدیہ کے تقرر کا مسئلہ حکومت کے زیر غور ہے۔ بعض مدراسی [illegible] نے مقامی اخبارات

اس پہ خیال ظاہر کیا تھا کہ نواب مہدی نواز جنگ بہادر کو انطباعی مسودہ پر دوبارہ بحث کرنا چاہیے کیونکہ مسودہ قانون جلسہ عامہ کی تکمیل میں نواب صاحب مصروف ہیں وہ بھی اس کے لئے نواب صاحب موصوف سے زیادہ موزوں شخصیت اور ہو سکتی ہے۔ مگر دکن کرانیکل کی ایک حالیہ اشاعت میں یہ خیال ظاہر ہوا ہے کہ نواب مہدی نواز جنگ بہادر کو موقوف سمت و رفت پر ترقی دی جا رہی ہے۔ اگر صورت حال یہ ہے تو ہمارے خیال میں نظامت جلسہ پر ایسے شخص کا تقرر ضروری ہے جو صرف جدید قانون جلسہ کو صحیح طریقہ پر نافذ کرنے کے علاوہ بلدی مسائل پر کافی عبور اور انتظامی قابلیت رکھتا ہو۔

امن سوزی کا انسداد

ایسے موقع پر جبکہ ہندوستان پر بیرونی حملے کا خطرہ درپیش ہے کانگریس نے آزادی کا نام لے کر سول نافرمانی کی ایک ایسی تحریک جاری کر دی جس سے نہ صرف ملک کا امن و عافیت خطرے میں پڑ گئی تھی بلکہ فاشسٹی حملہ آوروں کے لئے راستہ ہموار ہو رہا تھا۔ عدم تشدد کے علمبرداروں نے جو فتنہ و فساد اور ہنگامے برپا کر رکھے تھے ان سے ہندوستان کی مختلف سیاسی جماعتوں نے بیزاری کا اظہار کیا۔ کانگریس اپنے اس زعم میں کہ وہ سارے ہندوستان کی واحد نمائندہ جماعت ہے ریاستوں کی رعایا کو بھی نام نہاد سول نافرمانی کی تحریک میں گھسیٹنا چاہتی تھی چنانچہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے اجلاس کے ساتھ ساتھ بمبئی میں اسٹیٹس پیپلز کانفرنس کا بھی ایک جلسہ پنڈت جواہر لال نہرو کی صدارت میں منعقد ہوا تھا جس میں یہ طے پایا تھا کہ اگر کانگریس کوئی مہم شروع کرے تو ریاستی رعایا بھی اس مہم میں حصہ لے۔ اس سے ظاہر ہے کہ کانگریس ریاستوں کی سیاسی وحدت کو تسلیم کرنے تیار نہیں۔ حیدرآباد کے ایسے چند کارکن جو کانگریس کی اندھی تقلید کو ایک طرۂ امتیاز سمجھتے ہیں، وہ اسٹیٹس پیپلز کانفرنس میں سرگرم حصہ لیتے رہے ہیں۔ یہاں بھی امن سوز تحریک کو جاری رکھنے کی کوشش کی گئی جس کا بروقت انسداد کر دیا گیا۔ ان حالات کے پیش نظر اور ریاستوں پر کانگریس کی تحریک سول نافرمانی کے مکروہ اثر کو ملحوظ رکھتے ہوئے جماعت اتحاد و ترقی نے ابھی ایک قرارداد میں اہل ملک کو مشورہ دیا تھا کہ

> "ہماری ہند میں انتشار انگیز تحریکات کے پیش نظر یہ جماعت مقامی اداروں اور سیاسی جماعتوں سے توقع کرتی ہے کہ وہ اس نازک دور میں کسی ایسے اقدام سے احتراز کریں گے جس کی وجہ سے ملک کا امن و سکون برباد ہو۔ یہ زمانہ ایسا نہیں ہے کہ کوئی جماعت اپنے وقار کی خاطر یا ملک پر اپنے جماعتی اقتدار کو مسلط کرنے کے لئے خود ملک کے عظیم تر مفاد کو نقصان پہونچائے۔ ایسے دور میں جبکہ ملک کے مفاد عامہ کو متحدہ طور پر آنے والے مصائب کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہنا ناگزیر ہے اگر کوئی جماعت جماعتی نقطہ نظر کو ملکی مصالح پر ترجیح دے تو یہ ایک ناقابل معافی غلطی ہوگی۔"

اس قرارداد کے ذریعہ جماعت اتحاد و ترقی نے وقت کے ایک اہم ترین مسئلہ کی جانب اہل ملک کو متوجہ کیا تھا اور یہ توقع تھی کہ ملک کی دوسری جماعتیں اور طبقات اس جانب پوری توجہ مبذول کریں گے۔ خوشی کی بات ہے کہ ہماری یہ توقع پوری ہوئی اور ایک "انجمن انسداد اعمال تخریبی" کے نام سے قائم کی گئی جس میں ملک کے سربرآوردہ حضرات شریک ہیں۔ اس انجمن کے صدر نواب کمال یار جنگ بہادر ہیں اور معتمدین مولوی ابوالحسن سید علی اڈوکیٹ اور منگل راؤ بنگار ڈی بیرسٹر ہیں۔ مجلس اتحاد المسلمین، جماعت اتحاد و ترقی اور ہندو مہاسبھا کے نمائندوں کے علاوہ دوسرے طبقات کے نمائندے بھی اس میں سرگرم حصہ لے رہے ہیں۔ یہ ایک وسیع ادارہ ہے جس کی شاخیں ہر ضلع اور قصبہ میں قائم کی جائیں گی اور عوام کو تشدد اور افعال تخریبی اعمال سے باز رکھنے کی کوشش کی جائے گی تاکہ ملک کا امن و امان برقرار رہے جو اس نازک موقع پر اور بھی ضروری ہے۔ چند ماہ قبل مملکت آصفیہ میں امن قائم رکھنے کے لئے ہندو مسلم کارکنوں کی ایک مشترکہ کمیٹی قائم ہوئی تھی جس نے یہ اعلان کیا تھا کہ ایسے نازک موقع پر سیاسی سرگرمیوں کو جاری رہنا قطعاً نامناسب ہے اور رعایا کی بھی کہ سارے اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر ملک و مالک کی اطاعت کو اولین فرض قرار دیا جائے۔ لیکن اس مشترکہ کمیٹی کا جو حشر ہوا وہ ظاہر ہے۔ اس کمیٹی نے بجز ایک دو بیانات جاری کرنے اور ایک جلسہ عام منعقد کرنے کے کچھ نہیں کیا۔ اس کمیٹی کی ناکامی کی اصل وجہ یہ ہے کہ اس کے بعض ارکان اپنی تحفظات کے ساتھ اس میں شریک ہوئے تھے اور جوں ہی کانگریس کی تحریک شروع ہوئی انہوں نے اس مشترکہ کمیٹی سے دلچسپی لینا چھوڑ دیا اور ان کی روش میں ایک افسوسناک تغیر واقع ہو گیا۔ ہماری رائے میں "انجمن انسداد اعمال تخریبی" کی سرگرمیوں کو کامیاب بنانے کے لئے اس امر کی ضرورت ہے کہ اس کو ایسے افراد سے پاک رکھا جائے جو ذہنی تحفظات کے ساتھ شریک ہوتے ہیں اور کسی نہ کسی طرح بیرونی تحریکات کو حیدرآباد میں بھی جاری کرانا چاہتے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ اس ادارہ کے صدر اور ذمہ دار ارکان مسئلہ کے اس پہلو پر اپنی خصوصی توجہ مبذول کریں گے۔

نوجوانان حیدرآباد کے نام نئے سال کی مبارکباد

عالیجناب نواب صدر اعظم بہادر نے حسب ذیل پیام نشرگاہ حیدرآباد سے نشر فرمایا۔

"خدا آپ کو سال نو مبارک کرے۔ ایک ایسے شخص کے لئے جو گزری ہوئی جوانی کے نقش پا کو دیکھ رہا ہو اور ابھی کبھی دیرینہ زندگی کے یہ دو مصرعہ اس کی زبان سے بے ساختہ نکل جاتے ہوں۔

جو آگے نہ جانے وہ بڑھاپا دیکھا
جو جاکے نہ آئے وہ جوانی دیکھی

ایسے شخص کو اس سے زیادہ کیا مسرت ہو سکتی ہے کہ وہ اپنے نوجوان بھائیوں کے ساتھ اس مسرت میں شریک ہو۔ آپ ایسے ملک کے مستقبل ہیں اور ہر سال خداوند تعالیٰ کی مدد سے بہتری اور برتری کا سال ہوگا۔ میں یہ عرض کروں گا کہ اس موقع پر چند منٹ خاموشی سے بیٹھ کر سال گزشتہ پر ایک نظر ڈالئے اور سوچئے کہ آپ نے کیا حاصل کیا اور کون کون سے مواقع ضائع کئے کہاں کہاں کون سا بیان حاصل کیں اور کہاں آپ ان حصوں کا شکار ہوئے اور ان تجربوں کے بعد نئے سال میں امید و مسرت کے ساتھ قدم رکھئے۔ تجربہ غلطیوں کے نتائج کا نام ہے۔ اگر آپ نے سال گزشتہ پر اس طرح سے نظر ڈالی ہے جس طرح سے میں نے ابھی عرض کیا تو آپ سال نو میں ایک زیادہ عقلمند ایک زیادہ فہیم اور ایک زیادہ تجربہ کار آدمی کی حیثیت سے قدم رکھیں گے۔ خوشی اور مسرت کے ساتھ آگے بڑھئے اور اپنے ملک، خدا اور آقا کی محبت اور وفاشعاری کو اپنا مطمح نظر بنا کر سال آئندہ کو خوشگوار بنانے کی کوشش کیجئے اور ہر حالت میں اپنے خالق کو یاد رکھئے اس سے کہ

جو کچھ ہوا ہوا کرم سے تیرے
جو کچھ ہوگا ترے کرم سے ہوگا

خداوند تعالیٰ آپ کو مقدس اعلیٰ حضرت آقائے ولی نعمت خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ کے سایہ عاطفت میں ایسے ہزاروں سال دکھائے اور یہ سایہ عاطفت کو صدہا سال ہمارے سروں پر قائم رکھے۔"

(صدر نشریات حیدرآباد)

قرارداد کابینہ انجمن طیلسانین عثمانیہ

کابینہ انجمن طیلسانین عثمانیہ نے اپنے اجلاس منعقدہ ۲۶ آبان ۱۳۵۲ف میں حسب ذیل قرارداد منظور کی۔

"کانفرنس طیلسانین عثمانیہ بابت ۱۳۵۱ف میں یہ قرارداد منظور ہوئی تھی کہ انجمن ترقی اردو کو جن شرائط کے تحت حکومت کی جانب سے امداد دی جاتی ہے وہ شرائط پورے نہیں ہو رہے ہیں۔ اور انجمن ترقی اردو طیلسانین ملک سے کوئی خاطرخواہ کام نہیں لے رہی ہے جو کہ مذکورالصدر کے ذریعہ حکومت سے یہ خواہش کی گئی تھی

۴. کہ انجمن ترقی اردو کو اس امر کا پابند کیا جائے کہ وہ اہل ملک سے زیادہ سے زیادہ کام لے۔ کابینہ کی رائے میں اس تحریک پر کافی طور سے توجہ نہیں کی گئی اور اب یہ علم ہوا ہے کہ انجمن ترقی اردو کی سابقہ امدادی مدت کی مزید توسیع زیر غور ہے۔ اس موقع پر سرکار عالی سے کابینہ انجمن کی گزارش ہے کہ امداد کی مدت میں توسیع دینے سے قبل یہ اطمینان کر لینا مناسب اور قرین صواب ہے کہ کس حد تک کام انجام پایا اور یہ کہ آیا وہ قابل اطمینان ہے یا نہیں اور نیز یہ کہ انجمن نے اہل ملک سے کس حد تک کام لیا اور آئندہ اس کا انتظام انجمن کے پیش نظر ہے۔ ان امور کا اطمینان حاصل کرنے کے بعد امداد عمل میں لانے کی صورت میں کسی کو اعتراض نہ ہوگا۔"

ایران کی سیاسی سرگزشت

از

جناب سید عبدالباری صاحب

مملکت ایران ایشیا میں ایک خاص سیاسی اہمیت کی حامل ہے۔ انیسویں صدی کے اوائل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ ایران کی ذرا سی اتھل پتھل اور خارجی پالیسی میں تبدیلی ہندوستان کے لئے خطرہ کا موجب ہو سکتی ہے۔ انقلاب کی بدولت جب فرانس کو اور نمائندہ نصیب ہوئے، وہاں نپولین بھی برسر کار آیا جس کی بدولت وہ تعلیمیں جاگزیں ہو گئیں جس سے تاریخ یورپ پر گہرے اثرات چھوڑے ہیں کہ تا قیامت فراموش نہیں ہو سکتے۔ یہ وہ ہستی تھی جس نے اوائل انیسویں صدی میں سرزمین یورپ میں ایک تہلکہ برپا کر دیا تھا۔ جہاں وہ مغربی یورپ پر قبضہ کر کے برسر اقتدار آ چکا تھا تو دوسری طرف اس کی آنکھیں ایشیا کے اس خطہ یعنی ہندوستان پر لگی ہوئی تھیں کہ حصول کے لئے اہل مغرب پہلے ہی سے بازی لگا چکے تھے۔ حکومت برطانیہ اس کو خوب جانتی تھی۔ اس ضمن میں ایران کی اہمیت بہت بڑھ گئی۔ اگر مغرب سے ہندوستان پر یورش ہو سکتی ہے تو افغانستان سے یا ایران سے ہو سکتی ہے۔ فرانسیسی اثرات ایران میں کام کرنے لگے۔ اس کے علاوہ ہندوستان کو اور بھی خطرات لاحق ہوئے۔ نپولین سرزمین مصر تک آ پہنچا تھا اور ہندوستان پر حملے کی تیاریاں تھیں۔ خود ہندوستان میں اندر اندر فرانسیسی اثرات بڑھ چلے تھے۔ مرہٹوں کی فوج میں اور خود نظام کی فوج میں بکثرت فرانسیسی جنرل تھے۔ ٹیپو سلطان نے انگریزوں سے امداد طلب کی تھی اور اس کے ساتھ ساتھ زمان شاہ، شاہ ایران کو بھی ہندوستان پر حملہ کرنے کے لئے لکھا تھا۔ ان حالات کے تحت کمپنی کو جو خطرات لاحق ہو سکتے تھے وہ ظاہر ہیں۔ حکومت برطانیہ اس معاملہ میں کبھی غافل نہیں رہ سکتی تھی اور نہ رہ سکتی تھی۔ ہندوستان کے داخلی حالات میں بہت بڑی حد تک فراس قابو پا لیا۔ ایران میں روسی و برطانوی افواج جمع ہونا شروع ہوئیں۔ لارڈ منٹو (۱۸۰۷ تا ۱۸۱۳) نے ان حالات کا جان توڑ مقابلہ کیا۔ شاہ ایران و شاہ افغانستان سے معاہدے کئے گئے اس کے ساتھ ساتھ رنجیت سنگھ اور امیران سندھ سے بھی کمپنی نے معاہدے کئے۔ بہرکیف بڑی حد تک حکومت برطانیہ نے حالات پر قابو پا لیا۔ نپولین کی شکست (جنگ واٹرلو ۱۸۱۵ء) کے بعد ایران میں برطانوی اور روسی اثرات بڑھنے لگے۔ اس ضمن میں ان دونوں قوتوں کی کشمکش بھی انقلاب ایران کے لئے راستہ صاف کرتی ہے۔

اس زمانہ میں ایران پر قاچار خاندان برسر اقتدار تھا۔ اس خاندان کے آخری فرمانروا جیسا کہ ہر ملک میں ہوتا ہے نااہل اور بعد در بعد کے عیاش ثابت ہوئے۔

ناصر الدین شاہ کے عہد میں ایران میں ہر طرف بے چینی پھیلی ہوئی تھی۔ رعایا پریشان حال تھی۔ بدیسی اثرات ایران میں جڑ پکڑنے لگے۔ ملک کی مالی حالت قابل افسوس تھی۔ اس زمانہ میں جمال الدین افغانی اور ملکم خان نے ایران کے لئے قابل قدر خدمات انجام دیں۔ ناصر الدین شاہ کے قتل کے بعد مظفر الدین سریر آرائے حکومت ہوا۔ یہ بھی نااہل ثابت ہوا جیسے روسی و برطانوی اثرات ایران میں تقویت پانے لگے۔ ملک میں اصلاحات کی سخت ضرورت محسوس کی جا رہی تھی۔ بادشاہ پر بار ڈالا گیا جس کی وجہ سے اس کو دستور اعظم کو برطرف کرنا پڑا اور پارلیمنٹ کا قیام عمل میں آیا جس کا پہلا اجلاس ۷ اکتوبر ۱۹۰۶ء میں ہوا۔ مظفر الدین کے انتقال کے بعد محمد علی شاہ جلوہ افروز ہوا۔ ملک میں بے چینی اور انتشار کے آثار نمایاں تھے۔ محمد علی پارلیمنٹ کو اپنے زیر اقتدار رکھنا چاہتا تھا لیکن پارلیمنٹ بہت مقتدر تھی۔ بادشاہ نے روس سے اتحاد کیا اور روسی سپاہ کی مدد سے پارلیمنٹ کے ارکان پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کی گئی۔ بالآخر بادشاہ فرار ہو گیا اور بعد ازاں روسی سپاہ کی مدد سے طہران پر حملہ کر دیا۔ پارلیمنٹ کے ارکان گرفتار کر لئے گئے جن میں سے چند جلا وطن کر دئے گئے اور چند قید یا قتل کر دئے گئے۔ پارلیمنٹ کو ایوان ملا دیا گیا چنانچہ استبدادی حکومت کو دوبارہ قیام عمل میں آیا۔ لیکن ۱۹۰۹ء میں قومی فوج طہران میں داخل ہوئی اور کاسک بریگیڈ نے ہتھیار ڈال دئے۔ بادشاہ کو معزول کر دیا گیا اور اس کے بیٹے احمد شاہ کو مسند نشین کیا گیا جس کی عمر اس وقت تیرہ برس تھی۔ لیکن پارلیمنٹ سیاہ و سفید کی مالک بن بیٹھی جس سے کہ اس دور میں ایران خوش حال رہا۔

اسی زمانہ میں روس انقلابی دور سے گزر رہا تھا اور شمالی ایران میں اشتراکیت کا پروپیگنڈہ زور و شور سے جاری تھا۔ کاسک بریگیڈ میں انقلاب برپا ہوا۔ رضا خان اس کا کمانڈر بن گیا۔ پھر انگریزی اثرات ایران میں پھیلنے لگے۔ ایران کی پارلیمنٹ نے کسی انگریزی تجارتی کمپنی کو تیل کے چشموں کا اجارہ دے رکھا تھا۔ ایک انگریزی فوج ایران میں متعین کی گئی تھی۔ اس وقت رضا خان جیسے شخص کی سخت ضرورت تھی۔ وہ ایران کو نجات دلانے پیدا ہوا تھا۔ چونکہ اس زمانہ میں پارلیمنٹ کمزور ہو چکی تھی حکومت کے معاملات اس سے سنبھل نہ سکے۔ رضا خان ان بیرونی اثرات کو پامال کرنا چاہتا تھا۔ آخرکار رضا خان نے ۲۱ فروری ۱۹۲۱ء کو تقریباً تین ہزار سپاہیوں کے ساتھ طہران پر حملہ کر دیا۔ اس کے بعد وہ وزیر جنگ مقرر ہوا اور بعد ازاں مملکت ایران وزارت کا مالک بن گیا۔ اسی سال احمد شاہ پیرس چلا گیا اور اس طرح سے خاندان قاچار کا خاتمہ ہو گیا۔

۱۳ دسمبر ۱۹۲۵ء کو پارلیمنٹ نے رضا شاہ کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا۔ اس نے اپنی قوم میں آزادی کی روح پھونک دی۔ حکومت کے ہر شعبے میں تبدیلیاں عمل میں لائی گئیں۔ لیکن وہ ہستی جو ایران کی ترقی اور بہبودی کے لئے ہر ممکن جد و جہد کی اب اقتدار کھو چکی ہے۔

موجودہ جنگ کے چھڑ جانے کے بعد محوری پروپیگنڈہ ایران میں زور و شور سے جاری رہا۔ نازی پانچواں کالم برسر عمل تھا۔ جب کہ ایک طرف ایران کے تیل کے چشموں کے لئے خطرہ تھا تو دوسری طرف ہندوستان پر حملہ کرنے کے لئے راستہ صاف کیا جا رہا تھا۔ اتحادی کب خاموش بیٹھنے والے تھے۔ انہوں نے رضا شاہ کو اس کی بابت متنبہ کیا لیکن اس نے پرواہ نہ کی۔ ۲۵ اگست ۱۹۴۱ء کو اتحادی فوجیں ایران میں داخل ہوئیں اور ایران کی قسمت کا فیصلہ ہو گیا۔ نازی اپنے مقاصد میں ناکام رہے۔ اس طرح ہندوستان کی حفاظت کر لی گئی۔ رضا شاہ کو ۱۶ ستمبر ۱۹۴۱ء اپنے بیٹے کے حق میں تخت سے دست بردار ہونا پڑا۔ موجودہ والی ایران شاہ محمد رضا کی عمر اس وقت تقریباً ۲۲ سال ہے۔ ایران اس وقت اتحادی اثرات کے تحت ہے۔ توقع کی جا رہی ہے کہ جنگ کے بعد دیگر ممالک کی طرح ایران بھی کامل آزادی سے متمتع ہوگا۔

اسٹالن گراڈ کی لڑائی

صورت حال روسیوں کے موافق

ماسکو ۵ اکتوبر۔ گذشتہ چوبیس گھنٹوں کے دوران میں اسٹالن گراڈ کی لڑائی تقریباً تمام منطقوں میں روسیوں کے موافق رہی۔ رائٹر کا نامہ نگار متعین ماسکو کا بیان ہے کہ متعدد مقامات پر جرمن ان پوزیشنوں سے پیچھے دھکیل دئے گئے جن پر انہوں نے پہلے بھاری جانی اور مالی نقصانات کے ساتھ قبضہ کر لیا تھا۔ محاذ جنگ کے ایک دوسرے حصے میں بیان کیا گیا ہے کہ سرخ ہراول دستے اور زمینی لشکر [illegible] جرمن حملوں کے نشانے بنے رہے ہیں کہ اب جرمن ہائی کمان کے لئے اپنا سابقہ نظام رکھنا تقریباً ناممکن معلوم ہو رہا ہے۔ روسیوں کا اندازہ ہے کہ شہر کے مغربی شمال حصے میں جہاں سوویت کی جارحانہ کارروائیاں ترقی پذیر ہیں دشمن کے نقصانات دو ہزار تین ہزار کے درمیان ہیں۔ ان نقصانات کے علاوہ جو جرمنوں کو اسٹالن گراڈ کے دیگر حصوں میں ہوئے ایک ہزار ہلاک روسیوں کے ہاتھوں ہوئے ہیں۔

اسٹالن گراڈ کے شہر کے گذشتہ ایک یا دو دن کے اندر جو تبدیلی ہونے لگی ہے اس سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ [illegible]

اردو ادب اور حیدرآبادی خواتین

مولوی سید نصیر الدین صاحب ہاشمی کی تقریر جو نشر گاہ اورنگ آباد سے نشر ہوئی

دکھنی یا اُردو زبان آج تقریباً ساڑھے چھ سو سال سے یہاں مروج ہے۔ اگر ایک طرف گوشہ نشیں صاحبانِ طریقت اور صوفیائے کرام نے اس کی خدمت کی ہے تو دوسری طرف وہ شاہی قصور، دیوانوں، سلاطین کے درباروں اور حرم سراؤں میں بولی جاتی رہی۔ حال قال والے درویشوں اور سجادہ نشینوں بزرگوں کی گود میں پھولی پھلی اور امراء اور روساء کے مکانوں میں پروان چڑھی۔ سلاطینِ بیجاپور، شاہانِ گولکنڈہ اور فرمان روایانِ آصفی نے اس کی سرپرستی فرمائی۔ اور آج جامعہ عثمانیہ کی وجہ سے اُردو کو جو معراج نصیب ہو رہا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔

اردو کی خدمت جس طرح مرد کرتے آئے ہیں اسی طرح ابتداء سے عورتوں نے بھی اس کی خدمت گزاری کو اپنا فرض تصور کیا ہے۔ اردو زبان کی تاریخ میں عورتوں کے کارنامے جلی حروف میں نظر آتے ہیں۔

خواتینِ دکن میں سب سے پہلے بیجاپور کی ملکہ خدیجہ سلطان شہر بانو کا نام آتا ہے جو گولکنڈہ کے سلطان محمد کی دختر اور بیجاپور کے سلطان محمد کی ملکہ تھی۔ مشہور دکنی شعراء ملک خوشنود اور رستمی ملکہ ہی سے وابستہ تھے۔ رستمی کا شاہکار "خاور نامہ" جو ۲۴ ہزار شعر کی رزمیہ مثنوی ہے ملکہ کے حکم سے ہی مرتب ہوئی۔ قدیم دکنی شاعری میں کئی نام عورتوں کے بھی نظر آتے ہیں مثلاً فاطمہ، شرف النساء اور چندا وغیرہ ان میں سے چندا کا نام خصوصیت سے ممتاز ہے وہ صرف اردو زبان کی ایک باکمال شاعرہ ہی نہ تھی بلکہ شعراء اور ادیبوں کی سرپرست بھی تھی۔ خواجہ میر درد کے شاگرد مشتاق دہلوی جب حیدرآباد آئے تو اسی کے مہمان بنے اور پھر اس نے ان کو مہاراجہ چندو لعل کے دربار میں پیش کیا۔ حیدرآباد کے مشہور استاد سخن حضرت فیض مشتاق ہی کے شاگرد تھے۔ چندا کا دیوان ارسطو جاہ کے حکم سے مرتب ہوا ہے اور آج جامعہ عثمانیہ کی پرشان و شوکت عمارت اسی کے جاگیری موضع اڈیکمیٹ میں مرکزِ علم و ادب بنی ہوئی ہے۔

داستان ماضی کو چھوڑ کر جب ہم عہد حاضر پر نظر کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ عورتیں نہ صرف مردوں کے پہلو بہ پہلو اردو کی خدمت گزاری میں مصروف ہیں بلکہ بعض امور میں تو عورتوں ہی کو سبقت حاصل ہے۔ عورتوں کی خدمت گزاری کی روداد کو چند عنوانوں کے تحت بیان کیا جاسکتا ہے۔

اعلیٰ شعراء اور مصنفین کی سرپرستی کرنا۔ علیا حضرت شہزادی درشہوار اور شہزادی نیلوفر فرحت بیگم صاحبہ کے نام نامی اس عنوان میں خاص طور پر قابلِ تذکرہ ہیں۔ ان دونوں کے اسمائے گرامی پر کئی ایک کتابیں معنون ہوئی ہیں۔ ان میں میری بھی دو کتابیں شامل ہیں۔ دونوں شہزادیوں کو اُردو سے خاص دلچسپی ہے۔ علیا حضرت اُردو میں تقریر بھی فرماتی ہیں۔ اس عنوان میں بیگم نواب کمال یار جنگ ...... کا تذکرہ بھی لازمی ہے آپ نے بہ کمال ادب نوازی میری کتاب "خواتینِ دکن کی اردو خدمات" پر پیش لفظ لکھنے کی زحمت گوارہ فرمائی اور سرپرستی کی ہے۔

خدمت اردو کی دوسری شق شاعری ہے آج سے پہلے بدر النساء بیگم مخفی، رقیہ بیگم اور نجمت سلطانہ بیگم کے نام فراموش نہیں کئے جاسکتے جو اپنے وقت کی بہترین شاعرہ تھیں۔ اس وقت ایک سو سے زیادہ عورتوں کے نام شاعرہ کی حیثیت سے پیش کئے جاسکتے ہیں ان میں بعض یہ ہیں۔ خوش نوا خاتون، بشیر النساء بیگم بشیر، لطیف النساء بیگم لطیف، لطیف النساء بیگم آشنہ، صفیہ بیگم قمر، صغرا بیگم حیات، راحت النساء بیگم راحت، احمد النساء بیگم ثریا جبین، رابعہ بیگم رابعہ، حسینہ بیگم آوا، مسز برکت رائے، تصدق فاطمہ وغیرہ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

خوش نوا خاتون کے کلام کا مجموعہ "موج تخیل" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ جس میں قومی اور ملکی نظموں اور نیچرل شاعری پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔ ان کے کلام میں پختگی اور کہنہ مشقی پائی جاتی ہے۔ بشیر النساء بیگم عصر حاضر کی ممتاز شاعرہ ہیں شاید ہی کوئی ایسا جلسہ ہوتا ہو جس میں ان کی نظم خراج تحسین حاصل نہ کرتی ہو ان کی نظمیں اور غزلیں دونوں قابل قدر اور لائق داد ہوتی ہیں۔

صفیہ بیگم قمر کو نظم لکھنے کا خاصا سلیقہ ہے ان کی بعض نظمیں بہت اچھی ہیں اسی طرح لطیف النساء بیگم آشنہ نظم نگاری اور غزل گوئی میں کافی مہارت رکھتی ہیں۔ لطیف النساء بیگم لطیف اور مسز برکت رائے کو بچوں کی نظم لکھنے کا اچھا ملکہ حاصل ہے۔

نثر نگاری کی حیثیت سے تو بیسیوں خواتین خاص شہرت رکھتی ہیں یہ دشوار ہے کہ ان کے ناموں اور کارناموں کی مختصر صراحت کی جاسکے۔ اس عنوان کے تحت نجمت سلطانہ بیگم اور طیبہ بیگم مرحومہ کے نام یاد رکھنے کے قابل ہیں۔ اول الذکر کی "تاریخ نکولیہ" وغیرہ مشہور کتابیں ہیں طیبہ بیگم مرحومہ کی کتابیں انوری بیگم وغیرہ اصلاح معاشرت کے متعلق ناقابل فراموش کتابیں ہیں ابھی حال میں رسالہ طیبہ بھی شائع ہوئے ہیں۔ حیدرآباد میں ادب کو واسطہ بنا کر ملکی اور قومی خدمات انجام دینے کی پہلی کامیاب کوشش طیبہ بیگم مرحومہ ہی نے کی۔

موجودہ دور کی نثر نگاروں میں سب سے پہلے صغرا بیگم ہمایوں مرزا کا نام آتا ہے۔ بیگم صاحبہ کی موجودہ کتابیں انجمن شائع ہو چکی ہیں اس کے علاوہ آپ کے مضامین جو مختلف رسالوں میں چھپتے آئے ہیں ان کے کئی ضخیم مجموعے تیار ہو سکتے ہیں۔

جہاں بانو بیگم نقوی عصر حاضر کی قابل فخر خاتون ہیں ان کی کتابیں "رموز خانہ داری" "رفتار خیال" "محمد حسین آزاد" اور "ربط نابید" ابھی تک شائع ہو چکی ہیں "رفتار خیال" افسانوں اور ادب لطیف کا مجموعہ ہے۔ "رموز خانہ داری" ڈومسٹک سائنس کی کتاب ہے۔ "محمد حسین آزاد" آزاد مرحوم کی سیرت اور ان کی کتابوں پر تفصیلی تبصرہ کا مجموعہ ہے۔ جہاں بانو بیگم کے خطوط اپنی رنگینی اور دلکشی میں اپنا جواب نہیں رکھتے "ربط نابید" میں شائع ہوئے ہیں۔ لطیف النساء بیگم کی کتاب "حسن کی بیتا" میں نسوانی مسائل کا حل نہایت قابلیت سے کیا گیا ہے۔ رابعہ بیگم نے "سوتیلی ماں" میں اس امر پر اظہار خیال کیا ہے کہ کس طرح سوتیلی ماں سگی ماں کی قائم مقامی کر سکتی ہے۔

جدید ادب نسواں میں "تذکرہ ولی" اور "تذکرہ دکن" خصوصیت سے قابل تذکرہ ہیں۔ تذکرہ ولی میں جامعہ عثمانیہ کی پانچ ہم ... خواتین نے ولی کی شاعری پر مختلف حیثیتوں سے روشنی ڈالی ہے اس کے متعلق شمالی ہند کے مشہور ادیبوں نے بہترین آراء کا اظہار کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ولی کی شاعری پر آج تک کسی نے اس طرح تفصیل سے نظر نہیں ڈالی ہے۔ "تذکرہ دکن" بعض خواتین کے مختلف مضامین کا مجموعہ ہے۔ جس کو سکینہ بیگم صاحبہ نے ادارہ ادبیاتِ اردو کی جانب سے شائع فرمایا ہے۔ اس میں کئی ایک تحقیقی مضامین شامل ہیں۔ "امور خانہ داری" ایک دوسری ڈومسٹک سائنس کی کتاب ہے جس کو محمودہ بیگم نے لکھا ہے۔ "رنگین لباس" بیگم میراں کی تصنیف ہے اس میں موسم کے لحاظ سے رنگین لباس کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

تقریر نامکمل ہو گی اگر "گل خنداں" کا تذکرہ نہ کیا جائے یہ کتاب آصف جہاں بیگم بلگرامی کے ڈرامائی مضامین کا مجموعہ ہے۔ اس کا پیش لفظ اردو کے مشہور ڈرامہ نگار مرزا فرحت اللہ بیگ نے لکھا ہے اور بتایا ہے کہ گل خنداں کس مرتبہ کی کتاب ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ آصف جہاں بیگم نے ڈرامہ نگاری کا خوب حق ادا کیا ہے۔

اس موقع پر بعض زیر اشاعت کتابوں کا تذکرہ بھی ضروری ہے۔ مثلاً "تفہیم نسواں" جس کو قیصری بیگم نے مرتب کیا ہے۔ اور "رمز حیات" جس میں اقبال کے کلام پر تبصرہ ہے یہ کتاب عقیس بانو کے زور قلم کا نتیجہ ہے۔

مضمون نگار خواتین کی تعداد بلا مبالغہ دو سو سے زیادہ ہے جن میں بیسیوں ممتاز حیثیت رکھتی ہیں اور ان کے مضامین حیدرآباد اور شمالی ہند کے رسائل میں نمایاں حیثیت سے شائع کئے جاتے ہیں اس موقع پر میں ساری خواتین کے نام اور ان کی تحریروں کا تفصیلی تذکرہ نہیں کر سکتا البتہ چند نام بتا دیتا ہوں جو کبھی نظر انداز نہیں کئے جاسکتے مثلاً محمدی بیگم، نصیر النساء بیگم نسیم، زبانی صاحبہ، رابعہ بیگم، انوار رشید بیگم، احمد النساء بیگم ثریا جبین، رابعہ بیگم، تصدق فاطمہ، صغرا بیگم حبیب الرحمن، سعیدہ قمر الدین، حفیظہ جمال بیگم اور سلطانہ بیگم وغیرہ۔ نامور رسالوں کی ادارت کے فرائض انجام دینا بھی اردو زبان کی ایک خدمت ہے۔ اس عنوان کے تحت صغرا بیگم ہمایوں مرزا، سکینہ بیگم اور حیات بانو بیگم کے نام لئے جاتے ہیں۔ اردو زبان میں تقریر کرنے کا ملکہ بھی کئی خواتین کو حاصل ہے جن میں بیگم سالار جنگ، بادشاہ بیگم، صوفی صغرا بیگم ہمایوں اور وحیدہ بیگم ارشاد وغیرہ کے نام ...

سیاسی نمک پارے

از

کشاف

ناقابل تنقید

"ناگپور - ۲۰ راکتوبر - قانون تحفظ ہند
کے تحت تین آدمیوں کو بغیر اجازت
کے گھر رکھنے کے الزام میں دس سے
پچیس روپے تک جرمانہ کیا گیا۔"
(پیام - مورخہ ۲۲ رآبان)

ڈاکٹر رضی الدین صدیقی نے اپنی ایک نشری تقریر میں نوجوانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ:-

"آپ نوجوانوں کو کل کے لئے
ہمیشہ موقعہ باقی رہے گا اور آپ کی
باری بھی ضرور آئے گی"۔

ہم اسی توقع میں ضعیف ہوئے چلے جا رہے ہیں۔

نوجوانوں کو خطاب فرماتے ہوئے ڈاکٹر رضی الدین نے فرمایا کہ:-

ہماری تو یہی خواہش ہے کہ جب
آپ کی باری آئے اور آپ کو موقعہ
ملے تو آپ ہر طرح تیار رہیں"۔

تیار تو آج بھی ہیں مگر موقعہ بھی تو ملے۔ ہمارے بزرگ جو طبعی عمر کو پہنچنے کے بعد بھی جگہ چھوڑنے کے لئے تیار نہیں۔ پھر بھی ہم کو یہ نصیحت کرتے ہیں کہ خطائے بزرگاں گرفتن خطا است۔

اسی سلسلہ میں ایک اور جگہ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ:-

"آپ کی دنیا کل کی ہے۔ آج ہی
آپ اپنی ہم عمر ساتھیوں کو
شامل کر لیں تو کل آپ کس کام کے
رہیں گے۔ اور کل دنیا کون چلائے گا"۔

معاف فرمائیے ڈاکٹر صاحب ہم تو کل کو نہیں مانتے۔ جو کچھ بھی کرنا ہے وہ آج ہی کرنا ہے۔ کل کی دنیا کو کل کے لوگ چلائیں گے۔ بقول شخصے "کل کی مرغی سے آج کا انڈا بہتر"۔ نوجوانوں کو اس طرح کے سبز باغ دکھا کر جمود کی حالت میں رکھنا مناسب نہیں۔ نوجوان تو اس مقولہ کو "خیر زادہ" بنانا چاہتے ہیں۔ عجیب چیز ہے احساس زندگانی کا عقیدہ عشرت امروز ہے جوانی کا

امریکی مصنف لوئی فشر نے مہاتما گاندھی کا ایک شخصی پیام پریسیڈنٹ روزولٹ کو پہنچایا ہے جس میں پریسیڈنٹ روزولٹ سے یہ خواہش کی گئی ہے کہ وہ ہندوستان کے مطالبہ آزادی سے متعلق برطانوی ہند کے تعطل کو رفع کرنے کے لئے ایک ثالث کے طور پر کام کریں۔ (ایک خبر)

یہ بھی عجیب منطق ہے۔ گھر میں جو باہر کے لوگ ہیں ان سے کہا جا رہا ہے کہ وہ گھر چھوڑ دیں اور ایک دوسرے بیرونی شخص سے خواہش کی جا رہی ہے کہ وہ گھر کے معاملات میں مداخلت کرے۔

رجعت پسندی کی یہ نئی صورت ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مہاتما گاندھی اب لندن کے بجائے واشنگٹن سے رسل و رسائل بڑھانا چاہتے ہیں۔

مولوی عبداللہ صاحب تماپوری وکیل ہائی کورٹ نے جو مجلس وضع قوانین کے لئے وکلاء کی جانب سے نمائندہ منتخب ہوئے ہیں انتخابات کے اعلان کے بعد تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ ان تمام رائے دہندہ وکلاء کے شکر گزار ہیں جن کی رائے ان کے لئے کارآمد ثابت ہوئی۔ (ایک خبر)

ہمارے خیال میں وکیل صاحب موصوف کو قانون کا شکر گزار ہونا چاہئے جن کے بیان نے ہر وکیل کو رائے دینے سے قبل انتخاب کے مقصد پر سوچنے کے لئے مجبور کر دیا اور یہ تسلیم کرنا پڑا کہ حقیقت میں صحیح نمائندگی کون کر سکتا ہے۔

---

۱۴ راکٹوبر کو احمد نگر میں ایک اندھے کو نعرہ لگانے کی علت میں زیر حراست لے لیا گیا۔ (یونائیٹڈ پریس)

حراست میں لینے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر وہ حقائق سے اندھا ہوتا تو نعرے نہ لگاتا۔ اگر یہ اندھا کانگریسی ہے تو ضرور قانون تحفظ ہند کے تحت حراست میں لے لیا گیا ہے ورنہ قانون گداگری کے تحت۔ بہرحال اس معاملہ میں مسٹر مدرس صاحب مدرسہ "کور کروکنگ" کی رائے فیصلہ کن ہو سکتی ہے۔

احاطہ انجمن خادم المسلمین میں ایک جدید مسجد کی تعمیر (اخباری سرخی)

سید تو بناری نہ ہم ہیں، ایمان کی حرارت والوں نے
من اپنا پرانا پاپی تھا برسوں میں نمازی بن نہ سکا

ریلوے کے ایک پریس نوٹ میں بتلایا گیا ہے کہ دوران سال میں واگنوں کی فوجی نقل و حرکت کی سخت ضرورت کے باوجود نظامس اسٹیٹ ریلوے نے مقامی ضروریات کی بھی حتی الامکان تکمیل کی ہے۔

ہم ریلوے کی اس کارگزاری اور ضرورت شناسی سے بہت خوش ہوئے اگر ایسا نہ ہوتا تو ہرگز محکمہ زراعت زمین کے بجائے واگنوں سے چاول نہ اگاتا اور محکمہ تجارت سمنٹ کی قلت کی وجہ سے اپنے کاروبار بند کرتا۔ ملکی مفاد زندہ باد۔

معلوم ہوا ہے کہ عنقریب سکندرآباد سے ایک جدید انگریزی روزنامہ موسومہ "میزان" کی اشاعت عمل میں آنے والی ہے (نامہ نگار)

بعد کی اطلاع ہے کہ اس اخبار کی ادارت کسی ایسے شخص کے تفویض کی جائے گی جو اوسط طبقہ سے تعلق رکھتا ہو۔

مسٹر سی راج مسعد ہندو ریاسنڈل نے اننت سین کی تقریر کرتے ہوئے کہا کہ اس وقت ہندو اپنی تہذیب کے عظیم الشان اصولوں کو بھول کر غلامی میں مبتلا ہیں۔ ان کا یہ فرض ہے کہ اپنی مقدس تہذیب کی حفاظت کریں اور اس کے لئے اپنی جان تک قربان کر دیں۔ انہیں چاہئے کہ تعزیرات ہند یا تعزیرات آصفیہ ایک ہاتھ میں رکھیں اور ایک تلوار یا ہتیار دوسرے ہاتھ میں۔ اس ہتیار کو حفاظت خود اختیاری کے لئے استعمال کرنا چاہئے (دکن کرانیکل)

حفاظت خود اختیاری اور خود پروری میں امتیاز کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ ہٹلر بھی تو یہی کہتا ہے کہ وہ حفاظت خود اختیاری کے لئے ہتیار استعمال کر رہا ہے۔

عثمان شاہی اور اعظم جاہی طرز کے مینگو ایک بیگ دو دن بمبئی سے بلدہ منتقل ہو کر عابد روڈ و عثمان شاہی طرز کے احاطہ میں قائم ہوا ہے۔ مینیجنگ ایجنٹ مسٹر قریش جی یہاں مستقل قیام کے لئے وارد ہوئے ہیں (یونائیٹڈ پریس)

اصلاحات زندہ باد۔ مگر بمبئی کے ایوانات شاہی کی نگرانی اور سرکار عالی کے تجارتی کاروبار کون کرے گا۔ کیا کسی وظیفہ یاب عہدہ دار کا تقرر زیر غور تو نہیں؟

[illegible]

ہندوستان دوراہے پر

از

پروفیسر ہیرالڈ لاسکی

میں ایک ایسے شخص کی حیثیت سے لکھ رہا ہوں جو مستقل ایمان رکھتا ہے کہ ہندوستان کے باشندوں کو اپنے آپ پر حکومت کرنے کا حق ہے۔ اور ایسے شخص کی حیثیت سے بھی لکھ رہا ہوں جو ہندوستان میں برطانیہ کے کارناموں کی تائید نہیں کرسکتا۔ تاہم میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ میری سوچی ہوئی رائے یہ ہے کہ کانگریس کا فیصلہ بالکل غیر دانشمندانہ ہے اور اس کی تائید نہیں کی جاسکتی۔

سول نافرمانی کی تحریک کس کامیابی کو جانچنے کا معیار یہ نہ ہوگا کہ اس سے ہندوستان کی آزادی کے مقصد کو کس قدر فائدہ پہنچا بلکہ معیار یہ ہوگا کہ اس سے ہندوستان پر جاپان کے حملے کو کس قدر مدد ملی۔ یہی اگر سنجیدگی سے غور کیا جائے تو اس کا نتیجہ ناگزیر طور پر یہ ہوگا کہ آزادی کو قائم کرنے میں دول محور کو مدد ملے گی۔ تحریک جس قدر کامیاب ہوگی جاپان کا کام اسی قدر آسان ہوگا۔

متبادل صورت

کوئی ذمہ دار شخص یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ ہندوستان پر برطانیہ پر جاپانیوں کی کامیابی ہندوستان کے نصب العین آزادی کو کچھ بھی تقویت پہنچائے گی۔ مسٹر گاندھی اور ان کے رفقائے کار نے متبادل صورت کیا پیش کی ہے؟ وہ صورت یہ ہے کہ حکومت برطانیہ اسی وقت ہندوستان کی آزادی کو تسلیم کرے اور ہندوستان کی پوری سول حکومت ہندوستانیوں کے ہاتھ منتقل کردے۔

اس خیال میں جو دشواریاں مضمر ہیں وہ بالکل واضح ہیں۔ ہندوستانیوں میں سے کس کے ہاتھ سول حکومت منتقل کی جائے۔ اگر کانگریس کے ہاتھ منتقل کی جائے تو مسلم رائے عامہ کی ایک زبردست جماعت اور بیشتر اقوام کانگریس کی حکومت کو تسلیم کرنے تیار نہیں۔ کوئی حکومت تشکیل دینے کی مجاز نہیں ہوسکتی۔ مسٹر گاندھی کہتے ہیں کہ اگر برطانیہ ہٹ جائے تو اقلیتیں (۲۴) گھنٹوں کے اندر کانگریس سے مفاہمت کرلیں گی۔ کانگریس کے صفوف کے باہر اقلیتوں کا کوئی لیڈر اس رائے کی تائید نہیں کرتا۔ اس پالیسی کو ایک نمائندہ ہندوستانی جماعت نے مسترد کردیا ہے۔ اگر ہم یہ تسلیم بھی کرلیں کہ اقلیتوں کے مسئلہ کا اہم جز حکومت برطانیہ کی تخلیق ہے تاہم یہ مسئلہ آج ایک ٹھوس واقعہ ہے۔ حکومت برطانیہ اس مفروضہ کی بنا پر اس مسئلہ کو نظر انداز نہیں کرسکتی کہ اگر مسٹر نہرو کو ایک ایسی کابینہ تشکیل دینے کی دعوت دی جائے جس کو کامل اقتدارات حاصل ہوں تو تمام دشواریاں رفع ہوجائیں گی۔ کانگریسی جماعت کے باہر کوئی شخص اس مفروضہ کو تسلیم نہیں کرتا۔ فرض کرو کہ برطانیہ عملاً یہ سول اقتدار مسٹر نہرو کے ہاتھ منتقل کردیا اور بعد میں معلوم ہوا کہ کانگریس کا مفروضہ غلط تھا۔ تو پھر کیا ہوگا؟ جوں ہی یہ سوال اٹھایا جائے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ ہندوستان کے لئے حکومت خود اختیاری حاصل کرنے کا صحیح راستہ چاہے کچھ ہو کانگریس کا راستہ صحیح نہیں ہے۔

کانگریس کے پیش کردہ شرائط پر حکومت برطانیہ کو ہندوستان کی مدافعت سے کھیلنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ میں خود تسلیم کرتا ہوں کہ ہندوستان کو کرپس کی آمد تک حکومت برطانیہ نے ہندوستان کے معاملات میں بڑی غلطیاں کی ہیں۔ میں یہ بھی تسلیم کرتا ہوں کہ تجاویز کرپس کی بعض خصوصیات اطمینان بخش نہیں۔ انصرام جنگ سے قطع نظر میرے خیال میں ہندوستان کا نظم و نسق ہندوستانیوں کے ہاتھ میں ہونا چاہئے۔ اور جس طرح ۱۹۳۷ء میں صوبہ داری حکومتوں کے قیام کے لئے ایک میثاق ہوا تھا اسی طرح اس وقت بھی وائسرائے سے یہ میثاق ہونا چاہئے کہ وہ صرف مشیر کی حیثیت سے کام کرے۔

میں نہیں سمجھتا کہ کوئی معتبر اس امر میں شبہ کرے گا کہ برطانیہ نے جنگ ختم ہوتے ہی ہندوستان کے لئے کامل حکومت خود اختیاری دینے کا وعدہ کیا ہے اور اگر یہ خود مختار ہندوستان یہ تصفیہ کرے کہ وہ آزاد رہے گا تو برطانیہ عظمیٰ اس آزادی کو تسلیم کرنے کا بھی وعدہ کیا ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد اور مسٹر نہرو کہتے ہیں کہ انہیں متحدین کی کامیابی کی فکر ہے اور وہ ہندوستان کو مدافعت کے لئے پوری طرح تیار کرنے آمادہ ہیں۔ کرپس کی گفت و شنید سے متعلق جو دستاویزات حاصل ہوگئے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے اعتراض کا تعلق تجاویز کرپس کے مابعد جنگ حصہ سے نہیں ہے بلکہ اس حکومت کی نوعیت سے متعلق ہے جو دوران جنگ میں کام کرے گی۔ ان کا ادعا یہ معلوم ہوتا ہے کہ حکومت برطانیہ کو چاہئے تھا کہ وہ کانگریس کو ہندوستان کے تمام فرقوں کی نمائندہ تسلیم کرلیتی اور کامل اختیارات کے ساتھ کانگریس کو حکومت تشکیل دینے کا کام سپرد کرتی۔

دشواریاں

لیکن اس راستے میں بہت سی دشواریاں حائل ہیں۔ اولاً یہ کہ بجز کانگریس کے کوئی اور جماعت کانگریس کی نمائندہ حیثیت کو تسلیم نہیں کرتی۔ ثانیاً یہ کہ پارلیمنٹ سے کوئی ایکٹ منظور ہوئے بغیر اسی کابینہ (مجلس وزراء) ناقابل علیحدگی اور غیر ذمہ دار معاملہ بن جائے گی، اور اس کو ایک امر کے اختیارات حاصل ہوجائیں گے۔ یہ ایک ناقابل عمل تصور ہے۔ چونکہ اس خیال کو مسترد کردیا گیا تھا اس لئے کانگریس سول نافرمانی اختیار کررہی ہے۔ مگر کانگریس کی اس پالیسی سے صرف دول محور کو فائدہ پہنچ سکتا ہے۔

مجھے اعتراف ہے کہ جس حد تک مولانا آزاد اور مسٹر نہرو کا تعلق ہے میں کانگریس کا نقطہ نظر سمجھنے سے قاصر ہوں۔ مسٹر گاندھی کے دل میں بے شک [illegible] ہے۔ وہ جاپانی حملے کا صرف مجہول مقابلہ کریں گے وہ چاہتے ہیں کہ برطانیہ بہر صورت ہندوستان کا تخلیہ کردے۔ لیکن مولانا آزاد اور مسٹر نہرو فاشسٹیت کو شکست دینے میں مدد دینا چاہتے ہیں۔ لیکن ایک ایسے وقت جب کہ جنگ کا نتیجہ غیر یقینی ہے وہ برطانوی حکومت پر حملہ کرکے کس طرح فاشسٹیت کو شکست دیں گے۔ یہ بات میری سمجھ سے باہر ہے۔

ایفائے عہد

اگر وہ کہتے ہیں کہ تجاویز کرپس کو ان کی موجودہ صورت میں قبول کرنا دھوکا کھانا ہے اور یہ کہ جنگ کے بعد ان کو حکومت خود اختیاری کا حق نہیں ملے گا تو میں کہوں گا کہ برطانوی سیاست میں کوئی معیار ایسا نہیں ہے جو اس وعدہ سے انحراف کرے۔ اگر ان کو وہ تائید حاصل ہے جس کے وہ مدعی ہیں تو عہد سے قبول کرنے کے بعد — خاص کر جب کہ ہندوستان کی مدافعت کامیاب رہے — وہ ہندوستان کے مستقل حکمران بن جائیں گے۔ لیکن اگر وہ ہندوستان کی قسمت سے کھیلتے رہیں جب کہ ساری دنیا کی آزادی اس کی قسمت سے وابستہ ہے تو وہ اپنے حامیوں کی ہمدردی کھو دیں گے لیکن ان کی پالیسی کے یہ مضمرات بالکل واضح ہیں۔

کیا یہ واقعہ ہے کہ کرپس کی تجاویز اگر قبول کرلی جاتیں تو کانگریس میں پھوٹ پڑجاتی کیونکہ گاندھی کے پیرو امن پسند کی حیثیت سے جنگ میں حصہ لیتے؟ کرپس کی تجاویز قبول کرلینے سے اس میں شک نہیں کہ ختم جنگ تک صرف آدھی آزادی ملتی لیکن ختم جنگ کے بعد پوری آزادی کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اگر مسٹر نہرو برطانیہ کے وعدہ پر بھروسہ نہیں کرتے تو وہ متحدہ اقوام سے اس وعدہ کی ضمانت طلب کرسکتے تھے۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس سے انکار کیا جاتا۔ بہرحال انہوں نے ایسا راستہ اختیار کیا ہے جس سے مجھ جیسے دوستوں اور حامیوں کی حوصلہ افزائی نہیں ہوتی بلکہ برلن اور ٹوکیو کے لئے ایک نئی امید پیدا ہوتی ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ تاریخ اس فیصلہ کو کس طرح حق بجانب قرار دے گی۔

چوبیس گھنٹوں میں

ہر قسم کی سیندور آئن، پالش زرین، تیرہ دریم حبشی زرین وغیرہ کے نقشہ جات تیار کرکے ایک دو یوم میں حسب منشا حاصل فرمائیے۔

مالک نعمت گھر نمبر ۵۰۵ اجباغ سلطان بازار حیدرآباد

فلسفیانہ شاعری

از
جناب ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم صاحب

فلسفہ اور شاعری دو الگ الگ چیزیں شمار ہوتی ہیں لیکن ان دونوں کو ہمیشہ الگ الگ رکھنا دشوار ہوتا ہے۔ ان کا تعلق کچھ موج اور ساحل کا سا تعلق ہوتا ہے۔ ایک دوسرے سے الگ بھی ہیں ہم آغوش بھی اور دست و گریباں بھی۔ کبھی ساحل کا کوئی حصہ کٹ کٹ کر یا گر گرا کر ندی میں شامل ہو جاتا ہے اور کبھی ندی ایسی چڑھتی ہے کہ سیلاب کے اندر موج اور ساحل کا امتیاز ہی مٹ جاتا ہے پہلے کنارے غائب اور پہلے حدود ناپید ہو جاتے ہیں ان دونوں کی باہمی موافقت اور مخالفت کو واضح کرنے سے پہلے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ہم الگ الگ ان کے موضوعات کی تعریف اور تحدید کریں اور پھر دیکھیں کہ ایک کو دوسرے سے کس قسم کا رنگ یا لگاؤ ہے۔

فلسفہ اور شاعری دونوں انسانی نفس یا اس کی فطرت کی پیداوار ہیں اس لئے پہلے ان کے ماخذ اور منبعوں کو انسانی فطرت کے اندر تلاش کرنا چاہیے۔ کسی فرد کا نفس ایک واحد چیز ہوتا ہے لیکن اس کے مختلف پہلوؤں میں امتیاز کرنا ممکن ہے۔ ایک پہلو یہ ہے کہ انسان جاننا چاہتا ہے۔ ایک واقعہ کا دوسرے واقعے سے رابطہ معلوم کرنا چاہتا ہے اور تمام تجربات کو یک نظر ایک ربط کی لڑی میں منسلک کرنے کی خواہش بھی اس میں پائی جاتی ہے۔ اس جاننے کے علاوہ دوسرا پہلو نفس انسانی کا یہ ہے کہ وہ حوادث سے متاثر بھی ہوتا ہے اشیاء اور واقعات کو دیکھ کر اس میں مختلف قسم کے جذبات پیدا ہوتے ہیں بعض باتیں اس کو گوارا ہوتی ہیں بعض ناگوار کسی واقعہ سے خوشی پیدا ہوتی ہے کسی سے رنج کسی سے غم پیدا ہوتا ہے کسی سے غصہ کسی سے حیرت کسی سے حسرت۔ یہ نفس انسانی کی ذہنی زندگی ہے جس کو انگریزی میں Feeling کہتے ہیں یہ اثرات محض جاننے سے الگ ہیں اگرچہ وہ اکثر ایک قسم کے علم ہی کی بنا پر پیدا ہوتے ہیں۔ نفس انسانی کا ایک تیسرا پہلو ہے جس کو ارادہ یا عمل کا پہلو کہتے ہیں ارادہ جاننے اور محسوس کرنے سے الگ بھی ہے اور ان دونوں کے ساتھ وابستہ بھی۔ اس کے بعد یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آسکے گی کہ فلسفہ نفس انسانی کی وہ خصلت ہے جس کا تعلق جاننے یا علم سے ہے اور شاعری زیادہ تر جذبات اور تاثرات کی دنیا سے وابستہ ہے۔ اب میں اپنا مطلب ایک مثال سے واضح کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ ایک باغ میں چار آدمی نظر آتے ہیں، چاروں پھولوں کی طرف غور سے دیکھ رہے ہیں ان میں سے ایک گلچیں و گلفروش ہے دوسرا ماہر نباتات تیسرا فلسفی چوتھا شاعر۔ گلچیں و گلفروش کا مقصد کسی قسم کا علم نہیں وہ محض ایک مادی غرض اور عمل کے لئے یہاں آیا ہے وہ محض یہ دیکھ رہا ہے کہ کس قسم کے پھول کس مقدار میں یہاں بستے ہیں اور بازار میں ان کی کیا قیمت لگ سکے گی ان پھولوں سے کسی دولہا دلہن کا سہرا بنایا جائے گا کسی محبوب کو تحفہ دیا جائے گا یا کسی کی قبر پر چادر چڑھائی جائے گی ان معلومات سے اس کے جذبات اور تاثرات پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ زندگی کا ایک ادنیٰ اور کثیف پہلو اس کے پیش نظر ہے مختصر یہ کہ پھولوں کے ساتھ گلچیں کا تعلق ایک عملی مادی اور تاجرانہ تعلق ہے۔

دوسرا شخص جو ماہر نباتات ہے وہ بھی پھولوں کو دیکھ رہا ہے اس کی غرض فقط علم ہے وہ دیکھتا ہے کہ یہ پھول کس قسم کے ہیں کس صنف کے تحت میں آتے ہیں کس پھول میں کس قسم کے اجزا یا عناصر ہیں، کس قسم کی زمین کس قسم کی آب و ہوا اور کس قسم کی کھاد کا اس پر کیا اثر ہوتا ہے گلچیں کی طرح جذباتی پہلو ماہر نباتات میں بھی غائب ہے اگرچہ اس کا مقصد گلچیں کے مقصد کے مقابلے میں زیادہ بلند ہے۔ تیسرا شخص جو فلسفی ہے وہ بھی پھولوں کو دیکھ رہا ہے لیکن پھول کا تجزیہ اس کا مقصد نہیں نہ وہ اس کے اجزاء ترکیبی و بالطبع پر غور کر رہا ہے اور نہ براہ راست اس کے دل میں یہ بات ہے کہ اس پھول کا نام کیا ہے اور اس کو کس صنف میں داخل کر سکتے ہیں۔ وہ غالباً یہ سوچ رہا ہے کہ فطرت میں یہ حسن آخر کہاں سے آیا لیکن کچھ نہیں ہے یہ لطیف جمال کہاں سے پیدا ہوا کثافت اور لطافت کا باہمی تعلق کیا ہے پھول کا حسن پھول میں ہے یا دیکھنے والے کی نظر اور اس کے تاثرات میں۔ اس خیال سے ماہیت کائنات اور مقصد حیات پر کیا روشنی پڑتی ہے۔ پھول حیات کلی کا ایک جزو ہے جز کا تعلق کل کے ساتھ کس قسم کا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس طرز فکر کو فلسفہ کہتے ہیں۔ یہ انداز ماہر نباتات کے انداز سے اتنا ہی بلند ہے جتنا ماہر نباتات کا انداز گلچیں کے مقصد اور اس کے طرز عمل سے۔

اب چوتھے صاحب کو دیکھئے ان کا انداز ان تینوں کی نظر مذکورہ صدر تینوں صاحبوں سے الگ اور نرالا ہے کچھ عاشق سے معلوم ہوتے ہیں اور کچھ مجنون سے کچھ گنگنا رہے ہیں لیکن صاف پتہ چلتا ہے کہ مستی اور مطرب حسین ہیں۔ یہ حضرت شاعر ہیں پھولوں کے ساتھ ان کا تعلق تینوں حضرات کے مقابلے میں زیادہ قریبی اور زیادہ گہرا معلوم ہوتا ہے دوسرے تو کسی نہ کسی غرض کے ماتحت وہ الگ ہو کر گویا پھول پر غور کر رہے تھے۔ لیکن یہ حضرت معلوم ہوتا ہے کہ پھولوں سے باتیں کر رہے ہیں چہرے پر جذبات کی رنگا رنگی مترشح ہو رہی ہے۔ یہ حضرت زبان حال و قال سے اور پھول فقط زبان حال سے محو مکالمہ ہیں دیکھیں شاعر کیا کہہ رہا ہے۔

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

پوچھتا ہے شوخی گلزار کو دیکھتے دیکھتے خود افسردہ ہو جاتا ہے کبھی بلبل سے پوچھتا ہے

سو زبانوں پر بھی خاموشی تجھے منظور ہے
راز وہ کیا ہے ترے سینے میں جو مستور ہے

اور پھر اپنے آپ سے مخاطب ہو کے کہتا ہے

مطمئن ہے تو پریشاں مثل بو رہتا ہوں میں
زخمی شمشیر ذوق جستجو رہتا ہوں میں

کبھی ماہر نباتات پر چوٹ کرتا ہے اور پھول کے سامنے اس خشک رقیب پر اپنا تفوق ظاہر کرتا ہے۔

کام مجھ کو دیدۂ حکمت کے الجھیڑوں سے کیا
دیدۂ بلبل سے میں کرتا ہوں نظارہ ترا

اے پھول تو خدائے جمیل کا رسول ہے جمال کی رسالت کا کام تیرے ہی سپرد ہے۔ حسن کی تربیت، طراوت اور شوخی سب تیری زبان حال سے ادا ہوتی ہے تو خندۂ زمین بلکہ خندۂ حیات ہے تیری ہر پتی معرفت پروردگار کا ورق ہے۔ تجھ میں شوخی اور حیا کے متضاد صفات کی کیا دلکش آمیزش ہے۔ فطرت سراپا دعا ہے اور تو اس دعا کی آمین ہے۔ تجھ سے گہرے اسرار کا انکشاف ہوتا ہے لیکن تیری زبان [illegible] ہیں۔ مرغ حیات کی زینت تیرے سپرد ہے تیری خوشبو میں اثر ہے جو کبھی فغاں بھی بن جاتا ہے۔

جو تھا سو موج رنگ کے دھوکے میں مر گیا
اے وائے نالۂ لب خونیں نوائے گل

اے بے زبان پھول شاید تو ملائکہ کی زبان جو [illegible] گردش سے جو نغمہ پیدا ہوتا ہے وہ شاید تجھ میں رنگ و بو بن گیا ہے۔ انسان کو جس راز کی تلاش ہے وہ شاید تجھ پر منکشف ہو گیا۔ اگر ہستی کا راز حسن اور عشق میں ہے تو تجھ سے بہتر اس کی کوئی ترجمان نہیں۔

اے پھول تم محبت کے پیام ہو جو عالم قدس سے زمان و مکان کے عالم کی طرف بھیجے جاتے ہو تم حسن کی زبان اور ہستی کا بیان ہو جس کے لئے انسان کے پاس الفاظ نہیں۔

آپ نے دیکھا کہ شاعر کا رشتہ پھولوں کے ساتھ کس قسم کا ہے۔ گلچیں ماہر نباتات اور فلسفی کا تعلق پھول کے ساتھ مادی عملی اور علمی ہے عملی تعلق غارتگری اور دستبرد کا تعلق ہے علمی تعلق بھی علمی خارجی اور ظاہری ہے۔ ان تعلقات میں جذبہ نہیں گرمی نہیں دلکشی نہیں دل ربائی نہیں۔ علم میں ایک خاص قسم کی گرمی ہوتی ہے لیکن وہ گرمی کچھ ایسی ہے جو خارجی چیزوں کی ٹکر اور رگڑ سے پیدا ہوتی ہے علم میں بھی نہایت سرور ہوتا ہے لیکن ایسا نہیں کہ جذبات اس سے موجزن ہو جائیں۔ بقول اقبال

علم گو آستانہ سے دور نہیں
اس کی تقدیر میں حضور نہیں
علم میں بھی سرور ہے لیکن
یہ وہ جنت ہے جس میں حور نہیں

کہتے ہیں کہ انسان ایک عقلی حیوان ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ عقل اس کی زندگی کا فقط ایک پہلو ہے اور ذرا غور کرو تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس کا اہم ترین پہلو نہیں۔ انسان جذبات کی ایک معجون مرکب ہے بلکہ یوں کہئے کہ ایک جسم ہے جس کے اندر جذبات اور تاثرات بھی اور جا بجا

دیتے ہیں اور عقل نقاد، ایک ریگولیٹر اور ایک مشیر ہے۔ زندگی کے اندھیرے میں جذبات جہاں جانا چاہتے ہیں عقل ان کے آگے چراغ لے کر چلتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شاعری اور مذہب دونوں نے انسان کے جذبات کو مد نظر رکھ کر اس کو متاثر کیا ہے۔ علم اور عمل جھلکتے ہیں ان چھلکوں کے اندر جو مغز ہے وہ تاثر کی [illegible] ہے۔ شاعری کا کاروبار زیادہ تر تخیل سے تعلق رکھتا ہے۔ تخیل کا تعلق علم کے ساتھ بھی ہے اور جذبے کے ساتھ بھی لیکن جذبے کے ساتھ تخیل کا جو تعلق ہے وہ بہت گہرا ہے اسی لئے جذبہ شعر آفریں ہوتا ہے اور شعر جذبہ آفریں۔ جذبے کے وجود کی بدولت جاہل آدمی کے بیان میں بھی شاعرانہ انداز پیدا ہو جاتا ہے۔ کوئی شاعر مسائل حیات کو سمجھانے کے لئے شعر نہیں کہتا وہ محض کہی ہوئی چیز دل میں جذبے کی گرمی ڈال دیتا ہے۔ شعر کے ذریعے سے عام فہم حقائق بھی دماغ کی سطح سے اتر کر دل کی گہرائیوں میں اتر جاتے ہیں۔ حضرت اقبال نے جو حکیم بھی تھے اور شاعر بھی حکمت اور شعر کے تعلق کو بڑی عمدگی سے واضح کیا ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں کہ اگر حکمت کی گرمی دل ہو تو وہ فلسفہ یا حکمت کہلاتی ہے لیکن جب اس کو سوز سال دل ہو جائے تو وہ شعر بن جاتی ہے۔ اس کی مثال وہی ہے کہ ایک حکیم اور ایک عاشق مجنون دونوں صحرا کی سیر کو نکلے تھے ایک نقطہ اس کے مد نظر خیال کا [illegible] تھا اور دوسرا اس سے ساتھ تھے کہاں اب تھا وہ تیز روی روی سے صحرا میں غبار اڑا رہا تھا حکیم اسی غبار میں رہ گیا اور عاشق مزاج نے بڑھ کر جذبات نے منزل کو جا لیا اور پردہ ہٹا دیا۔

حق اگر سوزے ندارد حکمت است
شعر می گردد چو سوز از دل گرفت
بو علی اندر غبار ناقہ گم
دست رومی پردہ محمل گرفت

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سب تخیل اور شاعری کی افتاد طبیعت میں اور فلسفہ کے نقطہ نظر میں اس قسم کا بنیادی فرق ہے۔ فلسفہ اور شعر کا امتزاج کیسے ہوتا ہے۔ اگر عقل ٹھنڈی ہے اور شاعری گرم تو ان دونوں کی آمیزش سے ایک معتدل فلسفیانہ شاعری میں ملتی ہے جہاں تک تاثیر کا تعلق ہے گرم سے گرمی میں ٹھنڈک کا مزاج گرمی کا لطف دوبالا کرتا ہے۔ اگر ٹھنڈک اور گرمی کے ملنے سے معتدل آ جائے گی اس لحاظ سے فلسفیانہ شاعری میں فلسفہ اور شاعری کی آمیزش میں ایسی ہی آمیزش ہوگی۔ دونوں ایک دوسرے کو ملوث کریں گے۔ لیکن ایک جان دو بدن ہو کر شیر و شکر کی طرح ملیں تو فائدہ ہوگا کہ ایک سے دوسرے کا مزا دوبالا ہو جائے۔ فلسفیانہ شاعری کئی قسم کے نمونے ملتے ہیں بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کوئی شخص نیم فلسفی ہے اور نیم شاعر وہ فلسفے کے نکات کو نظم میں ادا کرتا ہے لیکن ایسی شاعری ہوگی اس قسم کا عمل بول کر بہتر فلسفہ ہو سکتا ہے شعر دوسری طرف ہے کہ بعض اوقات حسن اتفاق سے ایک شخص میں فلسفے کا فکر بھی ہوتا ہے اور اعلیٰ درجے کا شاعر بھی۔ ایسے شخص کے نفس میں دونوں خود بخود رنگین ہو جاتے ہیں ان کے ساتھ ساتھ سوز بھی شامل ہو جاتا ہے فکر خالص ساتھ ہم کنار ہو جاتی ہے اسی سے شعر میں فکر کی بلندی پیدا

ہو جاتی ہے اور فکر میں شعر کا جذبہ شامل ہو جاتا ہے تو فلسفے کی عقل اور شعر کا جنون مل کر عجیب کیفیت پیدا کرتے ہیں۔

جشنِ سالِ نو

جلسہ عام میں عالیجناب نواب صدر اعظم بہادر کی تقریر

عزیزان و محترمین حیدرآباد۔

جیسا کہ آپ نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا ہے پہلا موقع ہے کہ میں جشن سال نو کے سلسلہ میں آپ کے ساتھ اس اظہار مسرت اور خوشی کے جلسے میں شریک ہوا ہوں۔ آپ نے اپنے خطبہ میں میرے انتخاب صدر اعظمی سے متعلق جو کچھ فرمایا ہے میں اس کا بدل ممنون ہوں یہ آقائے ولی نعمت کی ذرہ نوازی ہے کہ انھوں نے مجھے اس ملک کے لوگوں کی خدمت سپرد فرمائی اور سال گزشتہ میں انتظامی معاملات میں اور دوسری ترقیات سے متعلق جو کچھ ہوا اور آئندہ جو کچھ ہوگا وہ درحقیقت آقائے ولی نعمت کے حکیمانہ احکامات اور مشورے کے باعث ہوگا۔ مجھے آپ کی اس رائے سے اتفاق ہے کہ زندگی یا کم از کم ہنسی زندگی تو زندہ دلی ہی کا نام ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ایسے مواقع کو جس میں تمام حضرات بلا تفریق مذہب و ملت شریک ہو کر خوشی منا سکیں اور ایک دوسرے سے قریب ہو سکیں نہ صرف ہماری اجتماعی زندگی کے لئے مفید ہیں بلکہ ضروری ہے ...... ملک کی عام فضا کے لئے ایسے مواقع کا وجود نہایت ہی مفید ہے لہٰذا یہ تسلیم ہے کہ آپ کے ہاں دو روز۔ ایک تو آقائے ولی نعمت خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ کی سالگرہ مبارک دوسرا سال نو کا جو کہ خوش قسمتی سے شاہزادہ مکرم جاہ بہادر کا روز پیدائش بھی ہے ایسے دو روز آپ کو نصیب ہیں کہ جن میں آپ بلا کسی تصور مذہب و ملت ایک دوسرے سے بغلگیر ہو سکتے ہیں۔ ضرورت ان دونوں کو خوشی سے منانے اور یہی کوشش کیجئے کہ جو فضا آپ آج پیدا کر رہے ہیں وہ آپ کی مذہبی عیدوں اور تہواروں میں بھی پیدا ہو جائیں۔ مجھے وہ زمانہ یاد ہے کہ جب ہم انڈیا میں ہمارے ہندو بھائی ہمارے ساتھ مل کر عیدیں مناتے تھے۔ اب تک ہندو حضرات کے ان دوست سے مسلمان خاندانوں سے شکر وہ دھو اور عیدیاں بھی جاتی ہیں اسی طرح سے مجھے یاد ہے کہ محرم میں ہندو حضرات کس خوش عقیدگی سے نہیں لگاتے تھے اور پان وغیرہ تقسیم کیا کرتے تھے اور اب بھی بعض ہندو خاندان ایسا کرتے ہیں اسی طرح برٹش انڈیا میں ہولی دیوالی کے موقعوں پر مسلمانوں کے گھروں میں شیرینی ہندو حضرات کے گھروں سے آتی تھی اور اب بھی آتی ہے کوشش کیجئے کہ یہ فضا قائم رہے اور اگر کم ہو گئی ہے تو اس میں اضافہ ہو۔ ہمارے آپ کے نفع بھی ایک ہیں اور نقصان بھی ایک ہیں پھر آخر کیوں بلا وجہ ایک دوسرے کی مخالفت اور مخاصمت کی جائے۔ خدا کرے کہ یہ سال نو شاد

ذی جاہ اور رعایا پرور شاہی کے ترقی عمر و دولت و اقبال لائے اور جملہ باشندگان ریاست حیدرآباد کے لئے بہتری اور خوشیوں کا پیش خیمہ ہو اور ایک ایسی محبت اور خلوص کی بنیادیں ہمارے قلوب میں پیدا ہوں کہ جو ہمارے آئندہ کی زندگی کی خوشی اور مسرت کی ضامن بن جائیں۔

(سررشتہ معلومات عامہ)

اردو ادب اور حیدرآبادی خواتین

(بقیہ سلسلہ صفحہ ۵)

کے مقابل میں۔ اردو زبان میں تفسیر اور حدیث کا ذخیرہ دینا بھی زبان کی ایک خدمت گزاری ہے۔ بیگم [illegible] اور بیگم بہادر یار جنگ اور بیگم خواجہ غیاث الدین کا تذکرہ اس عنوان میں کرنا ضروری ہے ان کی خدمات ہر آئینہ لائق ستائش ہیں۔

اردو زبان کی خدمت گزاری کے سلسلہ میں نشری تقریروں کا تذکرہ بھی لازمی ہے۔ حیدرآباد اور اورنگ آباد کی نشرگاہوں سے مقبول خواتین کی تقریریں نشر ہوتی ہیں۔ یہ تقریریں مفید ہونے کے ساتھ ہی ساتھ دلچسپ بھی ہوتی ہیں۔ اس سلسلہ میں ارباب محکمہ لاسلکی تہنیت کے مستحق ہیں کہ انھوں نے خواتین کی ادبی صلاحیتوں کو جلا دینے کے لئے کامیاب کوشش کی۔

یہ ایک مختصر روداد ہے جو حیدرآبادی خواتین کی ادبی خدمت کے سلسلہ میں پیش کی جا سکتی ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ آج کل ہماری خواتین مردوں کے دوش بدوش اردو زبان کی خدمت میں مشغول ہیں اور [illegible] امید ہے کہ [illegible] آگے بڑھ جائیں۔

عید کیلئے

جدید ڈیزائن کے جوتے فراکوں کا قابل دید مرکز

حسین برادرس

بلوز امپوریم

لاڈ بازار حیدرآباد دکن

پبلک کارکنوں کے مشاغل

۲ اکٹوبر کو کہادی پرچار سنگھ کی جانب سے اکھنڈ پرتھ سپتا کا آغاز ہوا مسٹر رام چندر راؤ انتو صدر کہادی پرچار سنگھ نے مختصر تقریر کی اور اس کے بعد سکریٹری اکھل بھارت چرخہ سنگھ کا پیام پڑھ کر سنایا۔ مسٹر سرجہ بہرناٹک، مسٹر رام کرشن دھوت، مسٹر برد کا چند چودھری وغیرہ نے چرخہ کاتنے میں حصہ لیا۔

معتمد صاحب آریہ سماج کشن گنج کی اطلاع ہے کہ ۲۹ آبان کو آریہ سماج مندر کشن گنج میں جلوس دسہرہ کے انتظامات اور دیگر امور کے تصفیہ کے لئے بلدہ حیدرآباد کے تمام آریہ سماجوں کے معتمدین کا ایک جلسہ طلب کیا گیا ہے۔

مسٹر نرسنگ راؤ معتمد آریہ پرتی ندہی سبھا نے اورینٹ پریس کو بیان دیتے ہوئے کہا کہ آریہ پرتی ندہی سبھا حیدرآباد کی مجلس عاملہ کی روداد کردہ تجاویز پر حکومت سرکار عالی نے ہمدردانہ غور کرکے دسہرہ کے جلوس کی اجازت مرحمت کی ہے۔ اور موجودہ حالات جنگ کے باعث ہتیاروں کو جو محدود کردیا گیا ہے سبھا نے اس کی نسبت اپنی رضامندی ظاہر کی ہے۔ حکومت نے یقین دلایا ہے کہ اس سال ہتیار پر لگائی ہوئی محدود پابندی آئندہ سال کے جلوس کے لئے نظیر نہ ہوگی۔ حکومت کے اس تصفیہ کی روشنی میں ہم شہریوں کی ذمہ داری گزشتہ سال سے بھی زیادہ اہم ہیں۔ اس لئے عوام سے نہایت ادب سے اس طریقہ پر تعاون عمل کا میں خواہشمند اور حکومت کے اس فیصلہ میں دلی خیر مقدم کرتا ہوں۔

سیٹھ لکشمی نواس گنیر والی اور مسٹر بی رام کرشن راؤ نے کہادی پرچار سنگھ کی رکنیت سے استعفا دیدیا ہے۔

پنڈت ونائک راؤ بیرسٹر اور پنڈت دتاتریہ پرشاد اضلاع کے دورہ سے بلدہ واپس آئے

انجمن پست اقوام ممالک محروسہ سرکار عالی نے اپنے نمائندوں کو اضلاع کے دورہ پر روانہ کیا ہے تاکہ پست اقوام و دیگر طبقات کو مضرت رساں تحریکات سے بچائیں

معتمد صاحب کہادی پرچار سنگھ گلبرگہ کی اطلاع ہے کہ مہاتما گاندھی کی ۷۴ ویں سالگرہ کے موقعہ پر اکھنڈ سوت سپتا منایا جارہا ہے۔

ساہتیہ سنگھ انچوک کا سالانہ جلسہ ۳۰ ستمبر کو منعقد ہوا جس میں سال آئندہ کے لئے مجلس عاملہ کا انتخاب کیا گیا۔

گزشتہ ہفتہ آندھرا کانفرنس کی مجلس عاملہ نے حیدرآباد کی موجودہ غذائی صورت حال کے متعلق حکومت کی تنقیص کی نسبت ایک قرارداد منظور کی۔

مجلس اتحاد المسلمین حلقہ چارمینار اندرون کی مجلس عاملہ نے فرائض ارکان کی غرض سے ایک کمیٹی تشکیل دی ہے

یوم القرآن کے سلسلہ میں ۸ رمضان کو بعد نماز جمعہ مکہ مسجد میں نواب بہادر یار جنگ بہادر کی تقریر ہوگی

جلسہ عام جشن سال نو

حیدرآباد یکم آذر۔ ہز اکسلنسی نواب صاحب چھتاری صدر اعظم باب حکومت سرکار عالی کی صدارت میں آج صبح ۱۰ بجے ٹاؤن ہال باغ عامہ میں جلسہ عام جشن سال نو منایا گیا۔ کئی روز سے ٹاؤن ہال باغ عامہ میں انتظامات کئے جارہے تھے کل سے سارے شہر میں رنگ برنگ کی جھنڈیاں آویزاں کی گئی تھیں صبح نو بجے سے شہری باغ عامہ میں جمع ہونا شروع ہوئے۔ پونے دس بجے تک تمام مہمان ٹاؤن ہال میں آگئے جن میں امراء، ارکان کونسل، جاگیردار اور دیگر عہدہ داران سرکار عالی و معززین شہری وغیرہ شامل ہیں۔ اس اجتماع میں ہندو اور مسلمان دونوں برابر کے شریک تھے۔

ٹھیک دس بجے نواب صاحب چھتاری صدر اعظم باب حکومت تشریف فرما ہوئے حکیم نارائن داس صاحب صدر استقبالیہ نے ممدوح کا استقبال کیا اور ارکان مجلس استقبالیہ سے تعارف کرایا۔ اس کے بعد صدر اعظم بہادر نے ٹاؤن ہال کے سامنے پرچم کشائی کی رسم ادا فرمائی۔ بوائے اسکاؤٹس اور طلباء نے انیس الغرباء کے دستوں کی سلامی لیتے ہوئے صدر اعظم بہادر ارکان استقبالیہ کے ساتھ ٹاؤن ہال میں تشریف لائے طلباء انیس الغرباء کے ترانہ سے جلسہ کا آغاز ہوا بعدہ حاضرین نے تالیوں کی گونج میں شہنشاہ ہمایوں کی عمر و اقبال کی دعا نکالی۔ اس کے بعد صدر استقبالیہ حکیم نارائن داس صاحب نے خطبہ استقبالیہ پڑھا۔ نواب دوست محمد خاں صاحب جاگیردار نے تحریک صدارت کرتے ہوئے کہا کہ حیدرآباد اپنی روایات دیرینہ کی ایک شاندار تاریخ رکھتا ہے اس کی حفاظت ہمارا کام ہے۔ اہل حیدرآباد جن میں مختلف طبقوں کے افراد شامل ہیں ہمیشہ ایک دوسرے کی تقاریب میں شریک ہوتے آئے ہیں یہ حیدرآباد کی دیرینہ روایت ہے۔ سال نو کی قومی عید کے سلسلہ میں آج کا جلسہ ایک نمایندہ جلسہ ہے میں بکمال مسرت ہز اکسلنسی صدر اعظم بہادر کا نام آج کے جلسہ کی صدارت کے لئے پیش کرتا ہوں۔ راجہ نرسنگ راج عالی بہادر نے تائید صدارت کرتے ہوئے کہا کہ سال نو کے جلسہ کی صدارت کے لئے ہز اکسلنسی کا انتخاب موزوں ترین انتخاب ہے میں تحریک صدارت کی پوری پوری تائید کرتا ہوں

قرارداد عقیدت

تحریک و تائید صدارت کے بعد صدر استقبالیہ نے تالیوں کی گونج میں صدر اعظم بہادر کی علیحضرتی کی اس کے بعد کرسی صدارت سے حسب ذیل قرارداد عقیدت پیش

ہوئی جس کو حاضرین نے استادہ ہو کر منظور کیا۔

باشندگان حیدرآباد کا یہ جلسہ عام جشن سال نو کے موقع پر اپنے آقائے ولی نعمت کی بارگاہ و جلالت مآب میں اپنی نیاز مندانہ عقیدت و وفاداری کا کمال ادب اظہار کرتا ہے اور بکمال عجز و نیاز التجا کرتا ہے دست بدعا ہے کہ اللہ تعالی ہمارے آقائے تاجدار دکن و برار خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ و خاندان آصفی اور سلطنت آصفی کو ہر بلا و آفت سے ہمیشہ ہمیشہ محفوظ و مصئون رکھے۔ مسٹر غلام محمد خان کی قرآن مبارک کی خواندگی کے بعد صدر اعظم بہادر نے ایک بلیغ خطبہ صدارت ارشاد فرمایا۔ "جشن سال نو" پر مولوی میر اکبر علی خان صاحب بیرسٹر نے "مرتجیات دو رفتانی سال" پر ملوکی دیارام صاحب اوسی ایڈوکیٹ نے "ملک کی معاشیات" پر مسٹر بی رام سندر ریڈی نے "معتدبہ پست اقوام" پر تقریر کی۔ مولوی محمد علی صاحب تیرتی راء کی نظم کے بعد "تحریک اسلامی سے اشتراک کی ضرورت" پر مولوی ابوالحسن سید علی صاحب ایڈوکیٹ نے تقریر کی۔ مسٹر گرو موہن داس سکینہ معتمد نے صدر اعظم بہادر اور معزز مہمانوں و مسٹر کا شکریہ ادا کیا۔

اسٹالن گراڈ کی لڑائی (بقیہ صفحہ ۹)

یہ تازہ دم جرمن دستوں کی آمد کے انتظار میں اپنا قبضہ برقرار رکھنے کی غرض سے جنگل میں جھونک دئے گئے ہیں لیکن ان فوری تدابیر کے باوجود یہ صاف طور پر ظاہر ہے کہ جرمن ان مقامات کو مستحکم بنا اور ان پر قبضہ قائم رکھنے کے قابل نہیں ہیں جن پر انہوں نے قبضہ کرلیا تھا۔ چند گھنٹہ میں سوویٹ فوجوں نے اسٹالن گراڈ کے صنعتی رقبوں میں موقعہ اہم جرمن پوزیشنوں پر کامیابی کیساتھ حملہ کیا اور دست بدست لڑائی کے بعد دشمن کو پیچھے دھکیل دیا۔ اسٹالن گراڈ کے شمال مغربی مضافات میں سوویٹ افواج نے دو دن کی آبادی کے ایک حصہ پر قبضہ کرلیا ہے جہاں پہلے اتوار جرمنوں نے قبضہ کیا تھا۔ اسٹالن گراڈ کے جنوب مغرب میں روسی جتھے حملہ کررہے ہیں اور انھوں نے دشمن کے جتھے کو بھاری نقصانات پہنچائے۔ اس اثنا میں اسٹالن گراڈ کے شمال اور جنوب دونوں طرف دشمن کی جارحانہ کارروائیاں پہیم روز تقویت حاصل کرتی رہیں اور آج کے سوویٹ کمیونکے میں بیان کیا گیا ہے کہ اسٹالن گراڈ کے شمال مغرب میں روسی آہستہ اور پا مردی سے بڑھ رہے ہیں اور دشمن کے مختلف دفاعات توڑ دیئے گئے۔ ابتدائی اپورٹوں میں بیان کیا گیا ہے کہ اس رقبے کے ایک علاقہ میں دشمن نے ایک خفیف سی پیشقدمی کی۔ گو دوسرے مقامات پر جرمنوں کے حملے پسپا کردیئے گئے۔ موزدک کے رقبہ میں جو کہ نالچک کے مغرب میں ایک آبادی مقام ہے ... جاری ہے چار پیدل فوجی دستوں کے ساتھ جرمنوں کو جارحانہ ترقی نامور ... کی روسی تیار ہے جرمنوں نے کل سے شدید ... کے اور مغربی کی صورت کالعدم ہے۔ ... مغرب میں نالچک کی جانب دشمن کی پیشقدمی روک دی گئی ... جنگ کے نئے دور ... میں اہم میدانوں ... متعدد مقامات پر ... کا آغاز ... [illegible]

سمجھوتہ کی ابھی امید ہے

بقیہ سلسلہ صفحہ (۱)

بہت سے ایسے ہیں جو اس کی تائید کرنے تیار ہیں۔ بہر حال یہ بات مزید صحیح ہے کہ ہندو مہا سبھا میں جو لوگ ترقی پذیر خیال رکھتے ہیں وہ سیاسی مسئلے سے متعلق ایک متحدہ محاذ قائم کرنے کے لئے سمجھوتہ پر آمادہ ہیں۔ باقی لوگ ابھی شک و شبہ میں ہیں اور یہ بحث کرتے ہیں کہ ہندوستان کی وحدت کے اصول کی قربانی جبکہ اس کے فوائد مشتبہ ہوں خودکشی کے برابر ہے۔

ان کا استدلال یہ ہے کہ ہندوستان کی وحدت کو برقرار رکھنے کی ضرورت سے قطع نظر مسلم لیگ کے مطالبہ کو تسلیم کرنا اس بات کی ضمانت نہیں دیتا کہ اس طرح جو استحکام پیدا ہوگا اس سے ملک کی سیاسی صورت حال میں کوئی بہتری ہوگی۔ یہ گروہ اپنے خیال کی تائید میں مسٹر چرچل، مسٹر اسٹافورڈ کرپس اور مسٹر ایمری کے بیانات کو پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حکومت برطانیہ دوران جنگ میں اقتدار منتقل کرنے تیار نہیں ہے۔

مسٹر جناح کی تجویز

بیان کیا جاتا ہے کہ جس فارمولے سے یہ بحث پیدا ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ مسٹر جناح اس بات پر رضامند ہونے تیار ہیں کہ مشرقی پنجاب اور مغربی بنگال میں ان اضلاع کو جہاں اکثریت ہندو آبادی کی ہے مجوزہ استصواب عامہ سے الگ رکھا جائے اور اس استصواب عامہ کو صرف (الف) پنجاب کے ان اضلاع تک محدود رکھا جائے جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے یا مخلوط آبادی ہے۔ اور (ب) بنگال اور آسام کے اضلاع میں بھی یہی طریق عمل اختیار کیا جائے۔ اس کے یہ معنے ہیں کہ پنجاب میں استصواب عامہ ان علاقوں میں ہوگا جہاں مسلمان (۶۰) فیصد ہیں۔

اس تجویز کو ہندو مہا سبھا کے وہ حلقے پسند کر رہے ہیں جو آمادہ مصالحت ہیں لیکن گزشتہ چند ہفتوں میں انہیں یہ خبر ملی ہے کہ مسٹر جناح کے پیش نظر ایک مسلم کاریڈور ہے جو صوبہ متحدہ میں گنگا کے میدان سے گزرتا ہے۔ ان اندیشوں کی وجہ سے ہندو مہا سبھا کے حلقوں میں بڑی بحث ہو رہی ہیں۔ اس ہفتہ دہلی کے اجلاس میں مہا سبھا کو ایک قطعی نتیجہ پر پہنچنا ہوگا۔ (کینڈ پریس۔ ٹائمز آف انڈیا)

روح اقبال
ڈاکٹر یوسف حسین خان صاحب کی معرکۃ الآراء تصنیف
مع مقدمہ ڈاکٹر رضی الدین صاحب
قیمت بلا جلد ۔ مجلد
ملنے کا پتہ احمدیہ پریس چار مینار حیدرآباد



چند جدید اور گران قدر کتابیں

عہد نبوی کا نظام تعلیم۔ از ڈاکٹر حمید اللہ (استاذ جامعہ عثمانیہ) ۸/۔

عربی حبشی تعلقات۔ از نو دستیاب شدہ مکتوب بنام نجاشی از استاذ جامعہ عثمانیہ ۸/۔

امام ابو حنیفہ کی تدوین قانون اسلامی۔ از ڈاکٹر حمید اللہ صاحب استاذ جامعہ عثمانیہ ۸/۔

قرآن اور سیرت سازی۔ از ڈاکٹر میر ولی الدین (استاذ جامعہ عثمانیہ) ۸/۔

تاریخ عطیات آصفی۔ از نصیر الدین ہاشمی عالی

تاریخ بہادر شاہی (انگلش) مصنفہ جگ جیون داس (دیوان شاہزادہ عبداورنگ زیب) مترجمہ مرزا فرحت اللہ بیگ (بی اے) مصححہ غلام یزدانی (ایم اے) ۴/۔

تاریخ ہیٹر۔ از سید باسط علی۔ پروفیسر عبدالمجید صدیقی نے ضروریاتیں ایک جگہ لکھا ہے موصوف نے بڑی محنت سے تاریخی مواد جمع کیا ہے۔ نیز اردو ادب کی جملہ قدیم جدید کتابیں حیدرآباد کی کل مطبوعات ہمیشہ اس قدیم ادارہ سے طلب فرما کر سرپرستی فرمایئے۔ فہرست مفت

مکتبہ ابراہیمیہ۔ حیدرآباد

قائم شدہ ۱۸۸۱ء

سید عبدالرزاق اینڈ کمپنی

کیمسٹ خاص اعلیٰحضرت حضور نظام خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ

صدر دفتر
چارکمان حیدرآباد دکن
فون نمبر ۲۰۷

شاخیں
عابد روڈ
فون نمبر ۱۷۲

آکسفورڈ اسٹریٹ سکندرآباد
فون نمبر ۵۵۴

پارچہ جات

ایف۔ ڈی۔ خان اینڈ کمپنی

محی الدین بلڈنگ حیدرآباد

عزیز
برادران

تاجران غلہ
نظام شاہی روڈ
حیدرآباد دکن

فون نمبر ۳۲۷

خزانہ عامرہ کی
موٹر پر

بنارسی مال

کا مخزن
رام بخش جے چند (لاڑ بازار)
بیوپاریوں و آرڈر پر سپلائی کرنیوالا

دیسی صنعت

حیدرآباد کے کاریگروں کے ہاتھ سے بنائے ہوئے
خوش نما شیروانی بٹن
جو ہر قسم کے کپڑوں پر موزوں ہو سکتے ہیں

قیمت (۴؍)

محمد عبدالرحمن جنرل مرچنٹ گھانسی بازار حیدرآباد

تاج محل

ہیر ڈریسنگ سیلون
لیڈیز اینڈ جنٹس

روبرو بڑے دواخانہ
ڈاکٹر کرنوسکر ترپ بازار حیدرآباد